جلد ۶۳ عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

جنوری ۱۹۶۵ قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

ترجمان القرآن، لاہور

فہرست مضامین

جلد ۶۲	جنوری ۱۹۶۵ء	عدد ۵

سالانہ چندہ	دفتر رسالہ ترجمان القرآن	قیمت فی پرچہ
سات روپے	۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ-لاہور	۷۵ پیسے

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ، لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

یُوں تو جماعت اسلامی پر اس کی تشکیل کے وقت ہی سے مہربانوں کی "عنایات" کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن گزشتہ چند سالوں میں ان میں بے پناہ اضافہ ہُوا ہے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب اس پر مختلف "کرم فرماؤں" کی طرف سے نئی فردِ جرم عائد نہ کی جاتی ہو۔ برسرِ اقتدار طبقے، تجدّد پسند حضرات، قادیانیوں، منکرینِ حدیث اور دوسرے اہلِ غرض لوگوں کی طرف سے بے بنیاد الزامات کی یورش کے وجوہ تو پُوری طرح سمجھ میں آتے ہیں لیکن ہمیں اُن اصحابِ علم کے تفقّہ فی الدین پر حیرت ہوتی ہے جو حالات کی نزاکتوں اور دینی مصالح کو جانتے ہوئے بھی جماعت کو مطعون کرنا بہت بڑی دینی خدمت سمجھتے ہیں۔

الزامات اور اتہامات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ انہیں یونہی کسی وقتی جوش اور ہیجان میں یہ کر نہیں گھڑا گیا بلکہ ان کے پیچھے بڑی ہوشیاری، چابکدستی اور ہنرمندی کارفرما نظر آتی ہے اور ایک انسان بادنیٰ تامّل محسوس کر لیتا ہے کہ ان کے اندر سنگینی پیدا کرنے کے لیے کتنی مہارتِ فن صرف کی گئی ہے۔

جماعت اسلامی اول روز سے جس مقصد کے حصول کے لیے اپنی بساط کے مطابق سرگرمِ عمل ہے وہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا دین غالب ہو اور اُمّتِ مُسلمہ اپنے اُس فرض سے باحسن طریق عہدہ برا ہو جو "اُمّتِ وسط" کی حیثیت سے اُس پر اللہ تعالیٰ نے عائد کیا ہے۔ خدمتِ دین ہی اس جماعت کا واحد مقصد اور جوہرِ حیات ہے اور اسی غرض کے لیے وہ اپنی

ہمت اور قوت کے مطابق عمل کر رہی ہے۔ اس راہ میں اُسے جس قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اُس سے پوری دنیا واقف ہے۔ اپنوں اور پرایوں کی طعن و تشنیع، فتویٰ بازیاں، املاک کی ضبطی، نہ صرف ارکان بلکہ ہمدردوں اور متفقین تک کی سرکاری اور نیم سرکاری اداروں سے بے دخلی، اور قید و بند کی صعوبتیں کسی دنیاوی مقصد کے لیے برداشت نہیں کی گئیں۔ جو شخص اس ملک کے سیاسی اور معاشی حالات پر نگاہ رکھتا ہے اُس کے لیے یہ چیز سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اگر اس جماعت کے پیشِ نظر کوئی دنیاوی غرض ہوتی یا اس کی جدوجہد کا مقصود سیاسی اور معاشی مفادات کا حصول ہوتا تو اس کے لیے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونا کچھ دشوار نہ تھا۔ جس ملک میں سیاسی طالع آزماؤں کو حالات سے فائدہ اٹھانے کے مواقع ہر وقت میسر ہوں، اُس میں جماعت اسلامی اگر چاہتی تو بڑی آسانی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکتی تھی۔ لیکن یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیشہ دین کو دنیا پر ترجیح دی اور ہمیشہ ہر قدم دینی نقطۂ نظر سے حالات کا جائزہ لے کر ہی اُٹھایا۔ اس راہ میں نہ تو اپنوں کی مخالفت اسے راہِ راست سے ہٹا سکی اور نہ حکومت کا جبر و قہر ہی اس کی راہ کھوٹی کر سکا۔ یہ محض ہمارے مولا کا ہم پر احسان ہے۔ اس کے لیے ہم اُس کے حضور میں جتنا شکر بجا لائیں اُسی قدر کم ہے۔

جماعت کے اس پاکیزہ مقصد اور اس مقصد کے حصول کے لیے اُس کی حقیر سی جدوجہد اور ایثار کو سامنے رکھ کر ذرا اُن حضرات کی فنکاری کا اندازہ لگائیں جو اپنا سارا زور اس بات کو ثابت کرنے میں صرف کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی حصولِ اقتدار کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتی اور اس طرح وہ دین کے نام پر دنیا کا کاروبار چمکا رہی ہے۔ یہ بڑا سنگین الزام ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ دین دار لوگوں کی زبان سے یہ الزام سُن کر دل و دماغ کا پورا سکون درہم برہم ہو جاتا ہے اور انسان سوچنے لگتا ہے کہ واقعی کیا جماعت اسلامی اور اُس کے امیر دین کے نام پر لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور ان کی جدوجہد سے دین کو فائدہ پہنچنے کے بجائے اُسے ناقابلِ تلافی نقصان

پہنچ رہا ہے؟

اِس سوال کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک غیر جانبدار اور مخلص انسان کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ وہ اُن کارروائیوں پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور کرے جن سے اِہدام دین کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ مگر جماعت کے "دین دار" کرم فرماؤں کی طرف سے اِس جُرم کے ثبوت میں وقتاً فوقتاً جو دلائل و شواہد پیش کیے جاتے ہیں اُن کا جائزہ لینے کے بعد سوائے مایوسی کے کوئی چیز ہاتھ نہیں آتی اور انسان محسوس کرتا ہے کہ اُن میں دنیا داروں کے سکھاتے ہوتے پراپیگنڈے کے فن سے پُوری طرح استفادہ کیا گیا ہے۔

ان صفحات میں سارے الزامات کی فہرست پیش کر کے ان پر بحث کرنا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ لیکن آج کل محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کے سلسلے میں جماعت اسلامی کو جس طرح دشمنِ دین و ملت ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا جا رہا ہے اسی سے اس الزام کی صحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بالکل واضح بات ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرۂ کار کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز کھینچا ہے۔ عورت کو گھریلو ذمّہ داریاں سونپی گئی ہیں اور مرد کو اجتماعی ذمہ داریوں کا اہل قرار دیا گیا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر اسلامی ریاست کی سربراہی کے لیے دوسری صفات کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ بارِ گراں کسی مرد کے کندھوں پر ہی ڈالا جائے۔ یہ اسلام کا ایک عام اصول ہے اور اسی کی صراحت امیر جماعت اسلامی نے "اسلامی ریاست"، تفسیر سورۂ احزاب اور اپنی مشہور کتاب "پردہ" میں کی ہے۔ یہ بات ہم کسی جذبۂ فخر سے نہیں بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کے دائرۂ کار کی وضاحت جس خوبی کے ساتھ جماعت کے لٹریچر میں کی گئی ہے اُس کی نظیر دَورِ جدید کے دینی ادب میں نہیں ملتی۔

مولانا محترم نے اس ضمن میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح سو فیصد درست اور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے عورت اور مرد کے دائرۂ کار کے بارے میں جو اصول دیئے ہیں ہم اُن پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں اور اُن کے اپنانے ہی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر ہم اس بات کے دل وجان سے قائل ہیں کہ کسی اسلامی ریاست میں سربراہی کے منصب پر کسی خداترس اور مدبر مرد کو ہی فائز ہونا چاہیے۔ یہ شریعت کا ایک عام قاعدہ ہے جس کا نہ ہمیں کبھی پہلے انکار تھا اور نہ اب ہے۔ لیکن اس اصول کو پوری طرح تسلیم کرنے کے باوجود آج اگر جماعت نے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کا فیصلہ کیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے جیسا کہ معترضین الزام لگاتے ہیں، کہ ہمیں دین کے مقابلے میں اب دنیا عزیز نظر آنے لگی ہے، یا ہمیں اس قاعدے کی صداقت اور صحت کے بارے میں یقین نہیں رہا، یا سیاسی ہیجان نے ہمارے فکری جہاز بے لنگر کر دیئے ہیں اور اب ہم حالات کے تھپیڑوں کے ساتھ اپنے آپ کو بہنے پر مجبور پاتے ہیں، یا خود غرضیوں نے ہمیں اتنا اندھا کر دیا ہے کہ ہمیں اب اپنی تحریریں نظر نہیں آتیں، یا مفاد پرستی کی وجہ سے ہمارے دل و دماغ اتنے ماؤف ہو چکے ہیں کہ ہم حق و باطل کے درمیان کوئی تفریق نہیں کر سکتے اور اس وجہ سے شریعت کے اصولوں کو بڑی بے تکلفی کے ساتھ پامال کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم عام حالات اور خاص حالات کے اُس فرق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں جسے شریعت نے اپنے احکام میں ملحوظ رکھا ہے، اور ہم پوری بصیرت کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ جن خاص حالات سے اس وقت ہمیں سابقہ درپیش ہے اُن میں ہم کو خود شریعت ہی کے دیئے ہوئے ایک دوسرے قاعدے کی پیروی کرنی چاہیے، کیونکہ ان حالات میں عام قاعدے پر اصرار کرنے سے اُن مقاصد کو نقصان پہنچ جانا یقینی ہے جو شریعت کی نگاہ میں زن و مرد کے دائرۂ کار کی تفریق سے اہم تر ہیں۔

دراصل جماعت اسلامی کے موقف کو سمجھنے میں لوگوں کو بار بار جو الجھنیں پیش آتی ہیں ان کی

وجہ یہ ہے کہ یہ جماعت محض اصحابِ درس و تدریس یا اربابِ افتاء کا کوئی گروہ نہیں ہے جن کا کام بیانِ مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو عمل کی دنیا میں دینِ حق کو بالفعل قائم کرنے کا نصب العین لے کر اٹھی ہے اور اس نصب العین کے لیے اس کو گوناگوں عملی حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ مزید براں یہ جماعت اب اُس مقام پر بھی نہیں رہی ہے جہاں اس کا کام محض شہادتِ حق کا ابتدائی فریضہ انجام دینے سے زائد کچھ نہ تھا، بلکہ اب یہ ترقی کر کے اُس منزل میں پہنچ چکی ہے جہاں وہ ملک کے نظامِ زندگی پر براہِ راست اثر انداز ہو سکتی ہے، اور ملک کے لوگ بھی اب اس سے محض بیانِ مسائل سننے کی نہیں بلکہ عملی زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور ان میں رہنمائی دینے کی توقع رکھتے ہیں۔ اس طرح کا نصب العین رکھنے والی ایک دینی جماعت جب اس منزل میں پہنچ جائے تو اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ہر پیش آمدہ مسئلے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ دیکھے کہ جن حالات میں وہ مسئلہ پیش آیا ہے ان کی نوعیت کیا ہے اور اُن میں کونسی راہ اختیار کرنا اقامتِ دین کے مقصد تک پہنچنے کے لیے زیادہ انسب ہے۔ اگر شریعت کا ایک قاعدہ اُن خاص حالات میں رُوبعمل نہ لایا جا سکتا ہو، یا اس پر عمل کرنے سے اِس مقصدِ عظیم کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، تو یہ جماعت سخت بے بصیرت ہو گی اگر ایسے مواقع پر خود شریعت ہی کے اُن اصول و قواعد سے رجوع نہ کرے جو قرآن و سُنّت اور کتبِ فقہیہ میں خاص اور غیر معمولی حالات کے لیے پائے جاتے ہیں۔ اِس طرزِ عمل پر اصول سے انحراف کا الزام اگر جاہل لوگ لگائیں تو چنداں موجبِ حیرت نہیں ہے۔ مگر جب اہلِ علم اس طرح کی باتیں کریں تو آدمی کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ فقدانِ علم ہے یا کتمانِ علم۔

کیا جماعتِ اسلامی پر الزام لگانے والے اِن حضرات سے کتبِ فقہیہ کے وہ ابواب چھپے ہوئے ہیں جو "دین میں مصلحت و ضرورت کا لحاظ" کے عنوان پر ہیں؟ کیا وہ تغیرُّ الفتویٰ واختلافہا بحسب تغیر الازمنة والامکنة والاحوال والنیات والعوائد کے اہم

اصولی قاعدوں سے ناواقف ہیں ؟ اگر وہ ان چیزوں سے بے خبر نہیں ہیں تو براہِ کرم وہ ایمانداری کے ساتھ بتائیں کہ جماعت کے موقف میں وہ اسلام سے کس نوعیت کا انحراف دیکھتے ہیں ؟

ہم ایسے حضرات کی خدمت میں بڑے احترام سے گزارش کرتے ہیں کہ براہِ کرم دین کے مزاج اور حالات کی حقیقی نوعیت کو سامنے رکھ کر جماعت اسلامی کے طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور پھر دیکھیں کہ آخر اس کا وہ کونسا ایسا فعل ہے جس سے اِہدام دین کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اگر جماعتِ اسلامی کے حالیہ فیصلے کے بارے میں کسی جدید تعلیم یافتہ شخص کے ذہن میں خلفشار پیدا ہوتا تو یہ چیز کسی اعتبار سے موجبِ حیرت نہ ہوتی لیکن ہمیں حیرت اُن حضرات کی الزام تراشیوں پر ہے جو اسلامی شریعت کے نظام پر پوری نظر رکھتے ہیں، اس کے مزاج کو جانتے ہیں اور اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ اسلام میں بالکل فطری طور پر احکام کے درمیان اہمیت کے اعتبار سے ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے اور اس امر کی پوری گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کسی وقت زمان و مکان کے حالات کی وجہ سے دین کے دو احکام یا اصولوں یا مقاصد کے درمیان عملاً تضاد واقع ہو جائے (یعنی دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہ رہے) تو شرعی نقطۂ نظر سے کم تر اہمیت رکھنے والی چیز کو زیادہ اہمیت رکھنے والی چیز کی خاطر اس وقت تک ترک کر دینا چاہیے جب تک دونوں پر ایک ساتھ عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسی طرح اسلام میں عام حالات اور خاص حالات کے فطری فرق کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور خاص حالات میں حقیقی ضروریات یا مجبوریوں کی بنا پر ناگزیر حد تک ایسے کاموں کی رخصت دی گئی ہے جو عام حالات میں ممنوع ہیں۔ اسلام کے یہ اصول جن کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے، اور جن کے تحت محترمہ فاطمہ جناح کی صدارت کی تائید کی گئی ہے، جماعت اسلامی کے کسی فرد کی ذہنی اختراع نہیں ہیں، بلکہ یہ وہ اصول ہیں جن پر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جلیل القدر رفقاءِ کار اور ان کی پیروی میں امت کے لاکھوں صلحاء نے عمل کیا ہے۔ ان اصولوں کا ذکر بڑے واضح الفاظ میں قرآن مجید میں ملتا ہے، ان کی تائید حضور سرورِ دو عالمؐ کی سنت سے ہوتی ہے، آثارِ صحابہ ان کی صحت پر شاہد ہیں اور امت کے

فقہاء نے انہیں بڑی شرح و بسط کے ساتھ مدوّن کیا ہے۔ ہم اس سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے علمائے سلف کی تشریحات پیش کرتے ہیں۔

علّامہ جلال الدین سیوطیؒ کا فہمِ قرآن میں جو بلند مرتبہ اور مقام ہے وہ کسی اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ ان کی شہرۂ آفاق تصنیف "الاتقان فی علوم القرآن" قرآن فہمی کے موضوع پر ایک مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں ایک مقام پر قاضی جلال الدین البلقینی کا یہ قول نقل کیا ہے:

مامن عام الا ویتخیل فیہ التخصیص فقولہ یا ایھا الناس اتقوا ربکم قد یخص منہ غیر المکلف وحرمت علیکم المیتۃ خص منہ حالت الاضطرار و منہ السمک والجراد وحرم الربا خص منہ العرایا۔ (جلد دوم ص ۱۶ مطبعۃ الازہریہ مصر)	کوئی عموم ایسا نہیں جس میں تخصیص کا تصور نہ کیا جا سکتا ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لوگو، اپنے رب سے ڈرو"۔ اس حکم سے غیر مکلف مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ حکم کہ "حرام کیا گیا تم پر مردار"، اس سے حالتِ اضطرار اور مچھلی اور ٹڈی مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ حکم کہ "حرام کیا گیا سود"، اس سے عرایا مستثنیٰ ہیں۔

اس کے بعد علّامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ قاضی جلال الدین البلقینی کے اس عموم و خصوص کے اصول پر زرکشی نے البرہان میں یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن مجید کی بےشمار آیات ایسی ہیں جن میں کوئی خصوص نہیں، مثلاً وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ، اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا، وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا، اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ۔ اس اعتراض کی تردید میں علّامہ سیوطی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ قابلِ غور ہے:

ھذہ الآیات کلھا فی غیر الاحکام الفرعیۃ۔ فالظاھر ان مراد البلقینی انہ عزیز فی الاحکام الفرعیۃ وقد	یہ ساری آیات جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے فروعی احکام سے متعلق نہیں ہیں، اور ظاہر بات یہ ہے کہ بلقینی نے جو کچھ کہا ہے وہ فروعی احکام کے

استخرجت من القرآن بعد الفكر آية فيها وهي قوله حرمت عليكم امهاتكم الآية فانه لاخصوص فيها۔ (اتقان جلد دوم ص۱۶)	بارے میں ہے ۔ میں نے پورے غور وفکر کے بعد قرآن مجید میں سے صرف ایک آیت ایسی نکالی جو احکام سے متعلق ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں یعنی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ.....

حافظ ابن قیم کا شمار اسلامی شریعت کے معروف ماہرین میں ہوتا ہے ۔ وہ اس کے مزاج اور اس کی نزاکتوں اور باریکیوں سے پوری طرح واقف ہیں اور ان کی رائے پر اہلِ علم نے ہمیشہ اعتماد کیا ہے ۔ انہوں نے دین میں "مصلحت و ضرورت کے لحاظ پر جو فکر انگیز بحث کی ہے وہ گہرے غور و فکر کی محتاج ہے ۔ جو اہلِ علم اسے دیکھنا چاہیں وہ اعلام الموقعین جلد سوم میں اُسے خود دیکھ سکتے ہیں ۔ ہم یہاں اس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے اس اصول کی وضاحت ہوتی ہے :

"زمان و مکان کے تغیّر، حالات و نیّات کے اختلاف اور عرف و عادات کی تبدیلی سے فتویٰ بدل جاتا ہے ۔ اس حقیقت کا سمجھنا نہایت ضروری ہے ۔ اس میں بڑے فوائد ہیں اور اس سے ناواقفیت کی بنا پر لوگوں نے بُری بُری ٹھوکریں کھائی ہیں ۔ شریعت کے اندر تنگی اور ناقابلِ برداشت تکلیف کی جو مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں وہ اسی اصول سے صرفِ نظر کا نتیجہ ہیں ۔ ہماری شریعت میں انسانی مصالح کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے ۔"

(اعلام الموقعین جلد سوم ص۲۷)

اس کے بعد علامہ موصوف نے شریعت کے اس اصول کی تشریح میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاءِ کار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے صلحاءِ امت رحمہم اللہ کی زندگیوں سے چند مثالیں پیش کی ہیں ۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں :

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ برائی ہوتے دیکھے تو اس سے منع کرے ۔ مقصود اس حکم کا یہ ہے کہ برائی کرنے والا نصیحت سُن کر برائی کو ترک کر دے

نیکی کا راستہ اختیار کرے لیکن جب نصیحت کرنے والا یہ محسوس کرے کہ اُس کی نصیحت سے برائی میں اضافہ ہو گا تو ایسی حالت میں برائی سے منع کرنا خود ممنوع ہے، کیونکہ اگرچہ وہ کام بجائے خود برا ہے، مگر منع کرنا اس سے بھی زیادہ بڑی برائی کو جنم دیتا ہے۔ مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے منکرات کا ارتکاب ہوتا تھا، مگر آپ اُن کو مٹانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اس لیے خاموش رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ جب مکہ فتح ہو گیا اور وہ دارالاسلام بن گیا تو آپ نے عمارتِ کعبہ میں تغیر و تبدل کر کے اُسے بنائے ابراہیمی پر قائم کرنے کا عزم فرمایا لیکن قدرت و استطاعت کے باوجود حضور صرف اس اندیشے کی بنا پر اس سے رک گئے کہ کہیں نو مسلم قریشی بدک نہ جائیں اور اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھیں۔ اور اسی بنا پر حضورؐ نے حکام کی برائیوں کو طاقت سے روکنے کی اجازت نہ دی کیونکہ اس سے عظیم تر برائی کے رونما ہونے کا خطرہ ہے۔"

آگے چل کر علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

"پس انکارِ منکر کے چار درجے ہیں:

(۱) منکر زائل ہو جائے اور اُس کی جگہ معروف قائم ہو۔

(۲) منکر بالکلیہ تو زائل نہ ہو سکے لیکن اس میں کمی ہو جائے۔

(۳) منکر زائل ہو اور اس کی جگہ اسی درجے کا، اسی پیمانے کا دوسرا منکر برپا ہو جائے۔

(۴) ایک منکر کو مٹانے کے نتیجے میں اس سے بدتر اور خطرناک تر منکر اٹھ کھڑا ہو۔

اِن میں سے پہلے دو درجے تو مشروع ہیں، اور تیسرے درجے میں اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کرنا ہو گا کہ آیا اس صورت میں انکارِ منکر کیا جائے یا نہیں، مگر چوتھے درجے میں انکارِ منکر حرام ہے۔ مثلاً ..... اگر تم کسی شخص کو قصے کہانیوں کی کتابوں میں مستغرق پاؤ تو تمہیں اُسے ان سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن اگر تمہیں اس بات کا خطرہ لاحق ہو کہ اس طرف سے توجہ ہٹا کر وہ بدعت و ضلالت اور طلسم و جادو کی کتابوں کی طرف

رجوع کرے گا تو اسے پہلی قسم ہی کی کتابوں میں مصروف رہنے دو۔"

اسی ضمن میں حافظ ابن قیم نے اپنے استاد امام ابن تیمیہؒ کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز فتنہ تاتار کے زمانے میں اُستادِ محترم کا ایک ایسے مقام پر گزر ہوا جہاں تاتاری شراب پینے میں مشغول تھے۔ ایک رفیق نے انہیں اس بُرے فعل سے روکنا چاہا لیکن امام صاحب نے اُسے روک دیا اور فرمایا کہ شراب اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُسے حرام کر دیا ہے، اور یہاں حال یہ ہے کہ شراب کے نشے میں بدمست ہو کر یہ ظالم ایک بڑے فتنے یعنی قتلِ نفوس، سلبِ اموال اور عورتوں اور بچوں پر دست درازی سے رُکے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔
(اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۸-۲۹)

حافظ ابن قیم کی ان تصریحات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت نے منکرات کے درمیان شدت کے اعتبار سے فرق کیا ہے اور اگر کبھی کوئی ایسی صورت پیش آجائے کہ دو برائیوں سے بیک وقت بچنا ممکن نہ ہو، یا ایک برائی سے بچنے کی کوشش ایک زیادہ بڑی برائی کے ظہور کی موجب یقینی نظر آتی ہو تو شریعت نے اس امر کی اجازت دی ہے کہ انسان ناگزیر حد تک کم عزر رساں بُرائی کو زیادہ خطرناک برائی کے مقابلے میں وقتی طور پر گوارا کرے۔ اِس قاعدے کو حافظ عبدالرحمٰن ابن رجب الحنبلی بڑے واضح الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

جب مضطر کے سامنے دو حرام چیزیں موجود ہوں اور اُن میں سے کوئی ایک بھی بغیر ضرورت کے جائز نہ ہو تو پھر اُس شخص پر یہ واجب ہے کہ وہ اس شے کو مقدم کرے جو فساد کے اعتبار سے ہلکی اور ضرر کے اعتبار سے کم ہو۔ اس لیے کہ جس میں حرمت زیادہ ہے اُس کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں لہٰذا وہ جائز نہیں۔

واذا اجتمع للمضطر محرمان کل منہما لا یباح بدون الضرورۃ وجب تقدیم اخفہما مفسدۃ واقلہما ضرراً لان الزیادۃ لاضرورۃ الیہا فلا یباح۔ (القواعد لابن رجب ص ۲۴۶ - الطبعۃ الاولیٰ مطبعۃ الصدق الخیریہ بمصر)

اس اصول کی صراحت کے لیے انھوں نے یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی شخص کو

مردار اور شکار کے سوا کوئی تیسری چیز میسر نہ ہو اور وہ انہی دو چیزوں میں سے ایک کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو امام احمدؒ کے قول کے مطابق اُسے شکار کو چھوڑ کر مُردار کھا لینا چاہیے، کیونکہ شکار کے کھانے میں اُس شخص کو تین گناہوں کا ارتکاب کرنا پڑیگا یعنی شکار کرنا، اُس کا ذبح کرنا اور پھر اُس کا کھانا۔ مگر اس کے مقابلے میں مُردار کھانے سے وہ صرف ایک گناہ ہی میں ملوث ہوگا۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں: واذا وجد المحرم صیداً ومیتۃً فانہ یاکل المیتۃ نص علیہ احمد لان فی اکل الصید ثلاث جنایات صیدہ و ذبحہ واکلہ: واکل المیتۃ فیہا جنایۃ واحدۃ۔

اسی مسلک کی تائید اصولِ فقہ کے ہر صاحبِ نظر عالم نے کی ہے اور ٹھوس دلائل کے ساتھ اس کی صحت اور صداقت کو واضح کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم اپنی فاضلانہ تصنیف الاشباہ والنظائر میں اسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے پہلے یہ اصول بیان کرتے ہیں کہ الضرورات تبیح المحظورات" ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں (ص ۴۳) پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالمِ مجبوری میں مردار کھانے اور حلق میں لقمہ اٹک جانے کی صورت میں اگر شراب کے سوا اور کوئی سیال چیز موجود نہ ہو تو اسے پی لینے اور اگر جان پر آبنی ہو تو کلمۂ کفر تک زبان سے ادا کرنے کی جو اجازت شریعت میں دی گئی ہے اس کی بنیاد میں بھی اصول کار فرما ہے۔ اس کے بعد علامۂ موصوف شریعت کا ایک دوسرا قاعدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام (ص ۴۳) — عام نقصان کو دفع کرنے کے لیے خاص نقصان گوارا کر لیا جائے گا۔

اس کی وضاحت میں وہ عمل کی دنیا سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ کسی وقت اگر مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی چھڑ جائے اور کفار مسلمانوں کے بچوں کو آگے لا کر اپنے لیے ڈھال کے طور پر استعمال کریں تو مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ اُن پر گولہ باری کریں، خواہ اس سے مسلمان بچوں کا خونِ ناحق ہوتا نظر آئے، کیونکہ بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان کو برداشت کرنا ناگزیر ہے۔ معصوم بچوں پر تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ بلاشبہ ایک بہت بڑا گناہ ہے، اور خاص طور پر جب وہ مسلمان بچے بالکل بے بسی

کے عالم میں غیروں کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے ڈھال کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں تو ان کی حالتِ زار کے تصوّر ہی سے دل کانپ جاتا ہے، لیکن جب ان کی اس بے بسی اور مظلومیت سے دشمنانِ اسلام ناجائز فائدہ اٹھا کر امّتِ مسلمہ کو زیادہ بڑا نقصان پہنچانا چاہتے ہوں تو پھر ان مظلوم معصوم کلیوں کی بے بسی کو اسلامی لشکر کے راستے میں حائل نہ ہونا چاہیے اور بڑے زیاں سے بچنے کے لیے خون کے یہ گھونٹ گوارا کر لینے چاہییں۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی ایسی دیوار تعمیر کی ہو جو عام لوگوں کے راستہ چلنے میں حائل ہوتی ہو تو اسلامی شریعت کے مطابق با اختیار حاکم اس شخص کے حقِ ملکیت کو نظر انداز کر کے اُس دیوار کو گرا سکتا ہے۔ اسلام میں حقِ ملکیت کا جس قدر احترام ہے اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اِس حق کی حفاظت میں اگر ایک شخص جان دے دیتا ہے تو اُسے شہادت کا درجہ حاصل ہوتا ہے لیکن یہاں دیکھیے کہ اگر کسی فرد کا حقِ ملکیت اجتماعی نقصان کا ذریعہ بن رہا ہو تو شریعت اُسے دفع کرنے کے لیے انفرادی نقصان کو گوارا کرتی ہے، کیونکہ وہ اہمیت میں اجتماعی نقصان سے کم تر ہے۔

اسی طرح اسلام لوگوں کو تجارت کی آزادی عطا کرتا ہے اور حکام کو قیمتیں مقرر کرنے کو جائز نہیں رکھتا۔ ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ شریعت کے اندر مال فروخت کرنے والوں کو ناحق کسی خاص قیمت پر فروخت کے لیے مجبور کرنا اور ایسی چیز سے انہیں روکنا جو اللہ نے ان کے لیے مباح کی ہے، ظلم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ممنوع ہونے کی تصریح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس حدیث میں فرمائی ہے جسے حضرت انسؓ نے اِن الفاظ میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں ایک مرتبہ غلّہ گراں ہو گیا، لوگوں نے حضوؐر سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قیمتیں مقرر فرما دیجیے۔ لیکن حضوؐر نے اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

ان اللہ ھو القابض الرازق الباسط	اللہ تعالیٰ ہی بند کرنے والا اور فراخی دینے والا،
المسعر وانی لارجو ان القی اللہ ولا	رزق دینے اور نرخ مقرر کرنے والا ہے، مَیں چاہتا
یطالبنی احد بمظلمۃ ظلمتھا ایاہ فی	ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جاؤں تو کوئی
دم ولا مال - رواہ ابوداؤد والترمذی	شخص اپنے خون اور مال کے معاملے میں مجھ سے

(الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ لابن قیم ص ۲۲۳ مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔
المطبعۃ الآداب والمؤید مصر ۱۳۱۷ھ)

یہ حکم عام حالات کے لیے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ معمول کے مطابق خرید و فروخت کر رہے ہیں اور قیمتیں فطری طور پر چڑھ اور گر رہی ہیں تو اس معاملہ میں حکومت کو مداخلت نہ کرنی چاہیے۔ لیکن خاص حالات میں اگر تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر دیں اور عوام کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ضروریات زندگی کی قیمتیں جان بوجھ کر بڑھانی شروع کر دیں تو عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تسعیر (حکماً قیمتیں مقرر کرنے) کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ اس کی تصریح حافظ ابن قیم نے بھی الطرق الحکمیہ میں کی ہے (ص ۲۲۳-۲۲۴) اور علامہ ابن نجیم بھی اس کے متعلق صاف فرماتے ہیں کہ

ومنها التسعیر عند تعدی ارباب الطعام فی بیعه بغبن فاحش ومنها بیع طعام المحتکر جبرا علیه عند الحاجة و امتناعه من البیع دفعا للضرر العام۔
(الاشباه والنظائر ص ۴۴ للعلامۃ زین ابن نجیم)

جب غلہ بیچنے والے غلے کی فروخت میں انتہائی بددیانتی سے کام لینا شروع کر دیں تو نہ صرف قیمتیں مقرر کرنا جائز ہے بلکہ ضرورت پیش آئے تو ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کا غلہ جبراً بیچ دینا اور انہیں بیع سے روک دینا بھی ضرر عام کو دفع کرنے کے لیے جائز ہے۔

علامہ ابن نجیم اور دوسرے فقہاء رحمہم اللہ نے اس ضمن میں احکامِ شریعت کے درمیان تقدیم و تاخیر کے لیے چند مزید اصول بھی بیان فرمائے ہیں جنہیں نگاہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ ان میں سے ایک اصول یہ ہے:

اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمها ضررا بارتکاب اخفهما۔ قال الزیلعی ... ... ان من ابتلی ببلیتین وهما متساویتان یاخذ بایتهما شاء وان اختلفا یختار اهونهما۔

جب دو برائیوں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑ جائے تو لازم ہے کہ جو نسبتاً کم درجے کا مفسدہ ہو اُسے اختیار کر کے دوسرے بڑے مفسدے سے بچا جائے۔ امام زیلعی کہتے ہیں کہ جو شخص دو بلاؤں میں گھر جائے اور وہ دونوں ایک جیسی ہوں تو اُسے اختیار ہے

(الاشباہ والنظائر للعلامۃ ابن نجیم ص ۴۴)، کہ جسے چاہے چن لے اور اگر اُن میں فرق ہو تو پھر کم درجے کی بلا کو بڑی کے مقابلے میں اختیار کر لیا جائے۔

اس کی مثال امام زیلعی نے نماز کے ایک مسئلے سے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فرض کیجیے کہ کسی شخص کی پیشانی پر زخم ہے اور اس سے پیپ بہتی ہے اب اگر وہ سجدہ کرتا ہے تو اُس کے زخم سے پیپ خارج ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص کو قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے اور صرف اشارے سے رکوع و سجود کرنا چاہیے۔ (الاشباہ والنظائر ص ۴۴)

اور دیکھیے قرآن مجید میں عورت کے پردے کے جو احکام ہیں اُن کی رُو سے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ کوئی شخص کسی غیر محرم عورت کو نگاہ بھر کر دیکھے لیکن شریعت نے ضرورت کے وقت اسے جائز ٹھیرا دیا ہے چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ کے حصہ چہارم، کتاب الکراھیۃ میں اس جواز کا بڑی صراحت کے ساتھ ذکر موجود ہے:

یجوز للقاضی اذا اراد ان یحکم علیھا وللشاھد اذا اراد الشھادۃ علیھا النظر الی وجھھا وان خاف ان یشتھی للحاجۃ الی احیاء حقوق الناس بواسطۃ القضاء واداء الشھادۃ۔	قاضی کے لیے جائز ہے کہ اگر کسی عورت کے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لیے ضرورت ہو یا اس کی گواہی لینی ہو تو اس کے چہرے پر نگاہ ڈالے، خواہ اس سے شہوانی جذبات پیدا ہو جانے کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ایسا کرنا عدالت اور شہادت کے ذریعہ سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے ضروری ہے۔

یہ اجازت صرف حاکم عدالت ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ حکیم اور ڈاکٹر کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: "یجوز للطبیب ان ینظر الی موضع المرض منھا للضرورۃ" اور طبیب کے لیے بوقت ضرورت یہ جائز ہے کہ عورت کے جسم کا وہ حصہ دیکھے جہاں مرض ہو۔

اور اس عبارت کے نیچے شارح ہدایہ نے لکھا ہے:

وان کانت تحت السرۃ الی الرکبۃ	اگر چہ وہ مقام زیر ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہی کیوں نہ ہو

اسی ضمن میں ذرا شمس الائمہ سرخسی کی تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ فقہا کے درمیان

اس اصول کے معاملے میں کتنی ہم آہنگی ہے:

ان المرأۃ من قرنہا الی قدمہا عورۃ۔ ھو القیاس الظاھر والیہ اشار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال المرأۃ عورۃ مستورۃ۔ ثم ابیح النظر الی بعض المواضع منہا للحاجۃ والضرورۃ فکان ذالک استحسانًا۔ (المبسوط مطبعۃ السعادۃ، مصر جلد ۱۰ ص ۱۴۵)

صنفِ نازک سر سے پاؤں تک عورت ہی ہے۔ یہ قیاس ظاہر ہے اور اس کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اشارہ فرمایا ہے کہ "عورت تو عورت مستورہ ہے" لیکن حاجت اور ضرورت کے وقت اس قیاس ظاہر کو چھوڑ کر اس کے بعض اعضاء پر نگاہ ڈالنا جائز کر دیا گیا ہے اور اسی کا نام استحسان ہے۔

یہ "استحسان" کا اصول ہے جسے فقہائے حنفیہ نے بکثرت استعمال کیا ہے، امام سرخسی اس کی حسبِ ذیل تعریفات اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں۔

الاستحسان ترك القياس والاخذ بما ھو اوفق للناس۔ وقیل الاستحسان طلب السھولۃ فی الاحکام فیما یبتلی فیہ الخاص والعام، وقیل الاخذ بالسماحۃ وابتغاء ما فیہ الراحۃ وحاصل ھذہ العبارات انہ ترك العسر للیسر وھو اصل فی الدین۔ قال اللہ تعالیٰ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم خیر دینکم الیسر۔ وقال لعلی و معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حین وجہہما الی الیمن یسرا ولا تعسر اقربا ولا تنفرا (المبسوط مطبعۃ السعادۃ مصر جلد ۱۰۔ ص ۱۴۵)

استحسان یہ ہے کہ ظاہر قیاس کسی معاملہ میں جس حکم کا تقاضا کرتا ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کیا جائے جو لوگوں کی ضرورتوں کے زیادہ موافق ہو اور بعض فقہاء نے اس کی تعریف یہ کی ہے کہ استحسان ان صورتوں میں سہولت تلاش کرنا ہے جن میں خاص و عام کسی مشکل میں مبتلا ہوں اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ استحسان وسعت کو اختیار کرنے اور فراخی کو تلاش کرنے کا نام ہے۔ ان تمام تعریفات کا ماحصل یہ ہے کہ استحسان سے مقصود تنگی سے بچکر سہولت کی راہ اختیار کرنا ہے اور یہی دین میں اصل قاعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تمہارے لیے آسانی اور سہولت چاہتا ہے تم کو دشواری اور مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ حضور نے بھی فرمایا ہے: تمہارا اچھا دین آسانی ہے اور حضور نے حضرت علیؓ اور معاذؓ کو جب یمن بھیجا تو فرمایا: لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، انہیں قریب لانا، متنفر نہ کرنا۔

(باقی ص ۶۵ پر)

تفہیم القرآن

حٰمٓ السجدہ

(۳)

اُس ساعت[۶۰] کا علم اللہ ہی کی طرف راجع ہوتا ہے[۶۱]، وہی اُن سارے پھلوں کو جانتا ہے جو اپنے شگوفوں میں سے نکلتے ہیں، اسی کو معلوم ہے کہ کونسی مادہ حاملہ ہوئی ہے اور کس نے بچہ جنا ہے[۶۲]۔ پھر جس روز وہ اِن لوگوں کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک؟ یہ کہیں گے، ہم عرض

---

۶۰ اُس ساعت سے مراد قیامت ہے، یعنی وہ گھڑی جب بدی کرنے والوں کو ان کی بدی کا بدلہ دیا جائے گا اور اُن نیک انسانوں کی دادرسی کی جائے گی جن کے ساتھ بدی کی گئی ہے۔

۶۱ یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ گھڑی کب آئے گی۔ یہ جواب ہے کفار کے اس سوال کا کہ ہم پر بدی کا وبال پڑنے کی جو دھمکی دی جارہی ہے وہ آخر کب پوری ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سوال کو نقل کیے بغیر اُس کا جواب دیا ہے۔

۶۲ اس ارشاد سے سامعین کو دو باتوں کا احساس دلایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ صرف ایک قیامت ہی نہیں بلکہ تمام امورِ غیب کا علم اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے، کوئی دوسرا عالم الغیب نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جو خدا جزئیات کا اتنا تفصیلی علم رکھتا ہے اُس کی نگاہ سے کسی شخص کے اعمال و افعال کا چوک جانا ممکن نہیں ہے، لہٰذا کسی کو بھی اُس کی خدائی میں بے خوف ہو کر من مانی نہیں کرنی چاہیے۔ اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے اِس فقرے کا تعلق بعد کے فقروں سے جڑتا ہے۔ اِس ارشاد کے معاً بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس پر غور کیجیے تو ترتیبِ کلام سے خود بخود یہ مضمون مترشح ہوتا نظر آئے گا کہ: قیامت کے آنے کی تاریخ معلوم کرنے کی فکر میں کہاں پڑے ہو، فکر اِس بات کی کرو کہ جب وہ آئے گی تو اپنی اِن

کر چکے ہیں۔ آج ہم میں سے کوئی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے[۶۳]۔ اُس وقت وہ سارے معبود اِن سے گم ہو جائیں گے جنہیں یہ اس سے پہلے پکارتے تھے[۶۴]، اور یہ لوگ سمجھ لیں گے کہ اِن کے لیے اب کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

انسان کبھی بھلائی کی دُعا مانگتے نہیں تھکتا[۶۵]، اور جب کوئی آفت اِس پر آجاتی ہے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے، مگر جونہی کہ سخت وقت گزر جانے کے بعد ہم اِسے اپنی رحمت

گمراہیوں کا انہیں کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا یہی بات ہے جو ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی تاریخ پوچھنے والے ایک شخص سے فرمائی تھی۔ صحاح اور سُنن اور مسانید میں حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ سفر میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے دُور سے پکارا یا محمدؐ۔ آپ نے فرمایا بولو کیا کہنا ہے۔ اس نے کہا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے جواب دیا ویحك انها کائنة لا محالة فما اعددت لها "بندۂ خدا، وہ تو بہرحال آنی ہی ہے۔ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟"

[۶۳] یعنی اب ہم پر حقیقت کھل چکی ہے اور ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ہم سمجھے بیٹھے تھے وہ سراسر غلط تھا، اب ہمارے درمیان کوئی ایک شخص بھی اِس بات کا قائل نہیں ہے کہ خدائی میں کوئی دوسرا بھی آپ کا شریک ہے۔ "ہم عرض کر چکے ہیں" کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قیامت کے روز بار بار ہر مرحلے میں کفّار سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم خدا کے رسولوں کا کہا ماننے سے انکار کرتے رہے، اب بولو حق پر وہ تھے یا تم؟ اور ہر موقع پر کفّار اس بات کا اعتراف کرتے چلے جائیں گے کہ واقعی حق وہی تھا جو انہوں نے بتایا تھا اور غلطی ہماری تھی کہ اُس علم کو چھوڑ کر اپنی جہالتوں پر اصرار کرتے رہے۔

[۶۴] یعنی مایوسی کے عالم میں یہ لوگ ہر طرف نظر دوڑائیں گے کہ عمر بھر جن کی سیوا کرتے رہے، شاید اُن میں سے کوئی مدد کو آئے اور ہمیں خدا کے عذاب سے چھڑا لے، یا کم از کم ہماری سزا ہی کم کرا دے، مگر کسی طرف کوئی مددگار بھی ان کو نظر نہ آئے گا۔

کا مزا چکھاتے ہیں، یہ کہتا ہے کہ "میں اسی کا مستحق ہوں[۶۶]، اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئیگی، لیکن اگر واقعی میں اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو وہاں بھی مزے کروں گا" حالانکہ کفر کرنے والوں کو لازماً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں اور انہیں ہم بڑے گندے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

انسان کو جب ہم نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا ہے اور اکڑ جاتا ہے[۶۷]۔ اور جب اسے کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے[۶۸]۔

اے نبی، ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر واقعی یہ قرآن خدا ہی کی طرف سے ہوا اور تم اس کا انکار کرتے رہے تو اس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو[۶۹]؟

---

۶۵ بھلائی سے مراد ہے خوشحالی، کشادہ رزق، تندرستی، بال بچوں کی خیر وغیرہ۔ اور انسان سے مراد یہاں نوعِ انسانی کا ہر فرد نہیں ہے، کیونکہ اس میں تو انبیاء اور صلحاء بھی آجاتے ہیں جو اُس صفت سے مبرا ہیں جس کا ذکر آگے آرہا ہے، بلکہ اس مقام پر وہ چھچھورا اور کم ظرف انسان مراد ہے جو بُرا وقت آنے پر گڑگڑانے لگتا ہے اور دنیا کا عیش پاتے ہی آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ چونکہ نوعِ انسانی کی اکثریت اسی کمزوری میں مبتلا ہے اس لیے اسے انسان کی کمزوری قرار دیا گیا ہے۔

۶۶ یعنی یہ سب کچھ مجھے اپنی اہلیت کی بنا پر ملا ہے اور میرا حق یہی ہے کہ میں یہ کچھ پاؤں۔

۶۷ یعنی ہماری اطاعت و بندگی سے مُنہ موڑتا ہے اور ہمارے آگے جُھکنے کو اپنی توہین سمجھنے لگتا ہے۔

۶۸ اس مضمون کی متعدد آیات اس سے پہلے قرآن مجید میں گزر چکی ہیں۔ اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں: تفہیم القرآن جلد دوم، ص ۲۷۰-۳۲۵-۳۲۶-۶۳۹- جلد سوم ص ۶۶۵ ۵۷- الزمر، آیات ۸-۹-۴۹-

۶۹ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض اس خطرے کی بنا پر ایمان لے آؤ کہ اگر کہیں یہ قرآن خدا ہی کی طرف سے ہوا تو انکار کر کے ہماری شامت نہ آجائے گی۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سرسری طور پر

غنقریب ہم اِن کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ اِن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔^{۸۵} کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ

یہ سوچے سمجھے تم انکار کر رہے ہو، اور بات کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے کانوں میں انگلیاں ٹھونسے لیتے ہو، اور خواہ مخواہ کی ضد میں آکر مخالفت پر تل گئے ہو، یہ کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے۔ تم یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتے کہ تمہیں اس قرآن کے خدا کی طرف سے نہ ہونے کا علم ہو گیا ہے اور تم یقین کے ساتھ یہ جان چکے ہو کہ خدا نے اِسے نہیں بھیجا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے کلامِ الٰہی ماننے سے تمہارا انکار علم کی بنا پر نہیں بلکہ گمان کی بنا پر ہے، جس کا صحیح ہونا اگر بادی النظر میں ممکن ہے تو غلط ہونا بھی ممکن ہے۔ اب ذرا اِن دونوں قسم کے امکانات کا جائزہ لے کر دیکھ لو۔ تمہارا گمان فرض کرو کہ صحیح ہی نکلا تو تمہارے اپنے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ بس یہی ہوگا کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے، دونوں یکساں رہیں گے، کیونکہ دونوں ہی کو مر کر مٹی میں مل جانا ہے، اور آگے کوئی زندگی نہیں ہے جس میں کفر و ایمان کے کچھ نتائج نکلنے والے ہوں۔ لیکن اگر فی الواقع یہ قرآن خدا ہی کی طرف سے ہوا اور وہ سب کچھ پیش آگیا جس کی یہ خبر دے رہا ہے، پھر بتاؤ کہ اس کا انکار کر کے اور اس کی مخالفت میں اتنی دُور تک جا کر تم کس انجام سے دوچار ہو گے۔ اس لیے تمہارا اپنا مفاد یہ تقاضا کرتا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ کر سنجیدگی کے ساتھ اس قرآن پر غور کرو۔ اور غور کرنے کے بعد بھی تم ایمان نہ لانے ہی کا فیصلہ کرتے ہو تو نہ لاؤ، مگر مخالفت پر کمربستہ ہو کر اس حد تک تو نہ بڑھ جاؤ کہ جھوٹ اور مکر و تلبیس اور ظلم و ستم کے ہتھیار اِس دعوت کا راستہ روکنے کے لیے استعمال کرنے لگو، اور خود ایمان نہ لانے پر اکتفا نہ کر کے دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے پھرو۔

^{۸۵} اِس آیت کے دو مفہوم ہیں اور دونوں ہی اکابر مفسرین نے بیان کیے ہیں:-

ایک مفہوم یہ ہے کہ عنقریب یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اس قرآن کی دعوت تمام گرد و پیش کے ممالک پر چھا گئی ہے اور یہ خود اُس کے آگے سرنگوں ہیں۔ اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ آج اِن سے کہا جا رہا ہے اور یہ مان کر نہیں دے رہے ہیں، وہ سراسر حق تھا۔ بعض لوگوں نے اس مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ محض کسی دعوت کا غالب آجانا اور بڑے بڑے علاقے فتح کر لینا تو اس کے

حق ہونے کی دلیل نہیں ہے، باطل دعوتیں بھی چھا جاتی ہیں اور ان کے پیرو بھی ملک پر ملک فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ایک سطحی اعتراض ہے جو پورے معاملے پر غور کیے بغیر کر دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں جو حیرت انگیز فتوحات اسلام کو نصیب ہوئیں وہ محض اس معنی میں اللہ کی نشانیاں نہ تھیں کہ اہلِ ایمان ملک پہ ملک فتح کرتے چلے گئے، بلکہ اس معنی میں تھیں کہ یہ فتح ممالک دنیا کی دوسری فتوحات کی طرح نہیں تھی جو ایک شخص یا ایک خاندان یا ایک قوم کو دوسروں کی جان و مال کا مالک بنا دیتی ہیں اور خدا کی زمین ظلم سے بھر جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہ فتح اپنے جلو میں ایک عظیم الشان مذہبی، اخلاقی، ذہنی و فکری، تہذیبی و سیاسی اور تمدنی و معاشی انقلاب لے کر آئی تھی جس کے اثرات جہاں جہاں بھی پہنچے، انسان کے بہترین جوہر کھلتے چلے گئے اور بدترین اوصاف دبتے چلے گئے۔ دنیا جن فضائل کو صرف تارک الدنیا درویشوں اور گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والوں کے اندر ہی دیکھنے کی امید رکھتی تھی اور کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ کاروبارِ دنیا چلانے والوں میں بھی وہ پائے جا سکتے ہیں، اس انقلاب نے وہ فضائلِ اخلاق فرمانرواؤں کی سیاست میں، انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والوں کی عدالت میں، فوجوں کی قیادت کرنے والے سپہ سالاروں کی جنگ اور فتوحات میں، ٹیکس وصول کرنے والوں کی تحصیلداری میں، اور بڑے بڑے کاروبار چلانے والوں کی تجارت میں جلوہ گر کر کے دکھا دیئے۔ اس نے اپنے پیدا کردہ معاشرے میں عام انسانوں کو اخلاق اور کردار اور طہارت و نظافت کے اعتبار سے اتنا اونچا اٹھایا کہ دوسرے معاشروں کے چیدہ لوگ بھی اُن کی سطح سے فروتر نظر آنے لگے۔ اُس نے اوہام و خرافات کے چکر سے نکال کر انسان کو علمی تحقیق اور معقول طرزِ عمل کی صاف شاہراہ پر ڈال دیا۔ اُس نے اجتماعی زندگی کے اُن امراض کا علاج کیا جن کے علاج کی فکر تک سے دوسرے نظام خالی تھے، یا اگر انھوں نے اس کی فکر کی بھی تو ان امراض کے علاج میں کامیاب نہ ہو سکے، مثلاً رنگ و نسل اور وطن و زبان کی بنیاد پر انسانوں کی تفریق، ایک ہی معاشرے میں طبقات کی تقسیم اور ان کے درمیان اونچ نیچ کا امتیاز اور چھوت چھات، قانونی حقوق اور عملی معاشرت میں مساوات کا فقدان، عورتوں کی پستی اور بنیادی حقوق تک سے محرومی، جرائم کی کثرت، شراب اور نشہ آور چیزوں کا عام رواج، حکومت کا تنقید و محاسبے سے بالاتر رہنا، عوام

کا بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم ہونا، بین الاقوامی تعلقات میں معاہدات کی بے احترامی، جنگ میں وحشیانہ حرکات، اور ایسے ہی دوسرے امراض۔ سب سے بڑھ کر خود عرب کی سرزمین میں اس انقلاب نے دیکھتے دیکھتے طوائف الملوکی کی جگہ نظم، خونریزی و بدامنی کی جگہ امن، فسق و فجور کی جگہ تقویٰ و طہارت، ظلم و بے انصافی کی جگہ عدل، گندگی و ناشائستگی کی جگہ پاکیزگی اور تہذیب، جہالت کی جگہ علم، اور نسل در نسل چلنے والی عداوتوں کی جگہ اخوت و محبت پیدا کردی، اور جس قوم کے لوگ اپنے قبیلے کی سرداری سے بڑھ کر کسی چیز کا خواب تک نہ دیکھ سکتے تھے انہیں دنیا کا امام بنا دیا۔ یہ تھیں وہ نشانیاں جو اُسی نسل نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جسے مخاطب کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ یہ آیت سنائی تھی۔ اور اُس کے بعد سے آج تک اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کو برابر دکھائے جا رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے زوال کے دَور میں بھی اخلاق کی جس بلندی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی گرد کو بھی وہ لوگ کبھی نہ پہنچ سکے جو تہذیب و شائستگی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔ یورپ کی قوموں نے افریقہ، امریکہ، ایشیا اور خود یورپ میں مغلوب قوموں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا ہے، مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دَور میں بھی اُس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی۔ یہ قرآن ہی کی برکت ہے جس نے مسلمانوں میں آتنی انسانیت پیدا کردی ہے کہ وہ کبھی غلبہ پاکر اُتنے ظالم نہ بن سکے جتنے ظالم غیر مسلم تاریخ کے ہر دَور میں پائے گئے ہیں اور آج تک پائے جا رہے ہیں۔ کوئی آنکھیں رکھتا ہو تو خود دیکھ لے کہ اسپین میں جب مسلمان صدیوں حکمراں رہے اس وقت عیسائیوں کے ساتھ اُن کا کیا سلوک تھا اور جب عیسائی وہاں غالب آئے تو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس کے طویل زمانۂ حکومت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور اب ہندو غالب آجانے کے بعد ان کے ساتھ کیا برتاؤ کر رہے ہیں۔ یہودیوں کے ساتھ پچھلے تیرہ سو برس میں مسلمانوں کا رویہ کیا رہا اور اب فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ ہے۔

دوسرا مفہوم اس آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آفاقِ ارض و سماء میں بھی اور انسانوں کے اپنے وجود میں بھی لوگوں کو وہ نشانیاں دکھائے گا جن سے اُن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن جو تعلیم دے رہا ہے وہی برحق ہے۔ بعض لوگوں نے اس مفہوم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آفاقِ ارض و سماء اور خود اپنے وجود کو تو

تیرا رب ہر چیز کا شاہد ہے[۵۱]؟ آگاہ رہو، یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات میں شک رکھتے ہیں[۵۲]
سُن رکھو، وہ ہر چیز پر محیط ہے[۵۳]۔

لوگ اُس وقت بھی دیکھ رہے تھے۔ پھر زمانہ مستقبل میں ان چیزوں کے اندر نشانیاں دکھانے کے کیا معنی۔ لیکن یہ اعتراض بھی ویسا ہی سطحی ہے جیسا اوپر کے مفہوم پر اعتراض تھا۔ آفاقِ ارض وسماء تو بے شک وہی ہیں جنہیں انسان ہمیشہ سے دیکھتا رہا ہے، اور انسان کا اپنا وجود بھی اُسی طرح کا ہے جیسا ہر زمانے میں دیکھا جاتا رہا ہے، مگر ان چیزوں کے اندر خدا کی نشانیاں اس قدر بے شمار ہیں کہ انسان کبھی ان کا احاطہ نہیں کر سکا ہے، نہ کبھی کر سکے گا۔ ہر دور میں انسان کے سامنے نئی نئی نشانیاں آتی چلی گئی ہیں اور قیامت تک آتی چلی جائیں گی۔

۵۱؎ یعنی کیا لوگوں کو انجامِ بد سے ڈرانے کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ اِس دعوتِ حق کو جھٹلانے اور زک پہنچانے کے لیے جو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ ان کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے۔

۵۲؎ یعنی اِن کے اِس رویّہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہیں اِس بات کا یقین نہیں ہے کہ کبھی ان کو اپنے رب کے سامنے جانا ہے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

۵۳؎ یعنی اُس کی گرفت سے بچ کر یہ کہیں جا نہیں سکتے اور اُس کے ریکارڈ سے ان کی کوئی حرکت چھوٹ نہیں سکتی۔

الشّورٰی

نام | آیت ۳۸ کے فقرے وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ سے ماخوذ ہے۔ اس نام کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورۃ جس میں لفظ شورٰی آیا ہے۔

زمانۂ نزول | کسی معتبر روایت سے معلوم نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کے مضمون پر غور کرتے ہی صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ حٰم السجدہ کے متصلاً بعد نازل ہوئی ہوگی، کیونکہ یہ ایک طرح سے بالکل اُس کا تتمہ نظر آتی ہے۔ اِس کیفیت کو ہر وہ شخص خود محسوس کرے گا جو پہلے سورۂ حٰم السجدہ کو بغور پڑھے اور پھر اس سُورے کی تلاوت کرے۔ وہ دیکھے گا کہ اُس سورۃ میں سرداران قریش کی اندھی بہری مخالفت پر بڑی کاری ضربیں لگائی گئی تھیں تاکہ مکّۂ معظمہ اور اس کے گردوپیش کے علاقے میں جس کسی کے اندر بھی اخلاق، شرافت اور معقولیت کی کوئی حس باقی ہو وہ جان لے کہ قوم کے بڑے لوگ کس قدر بے جا طریقے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں، اور اُن کے مقابلہ میں آپ کی بات کتنی سنجیدہ، آپ کا موقف کتنا معقول، اور آپ کا رویّہ کیسا شریفانہ ہے۔ اُس تنبیہ کے معًا بعد یہ سورۃ نازل کی گئی جس نے تفہیم کا حق ادا کر دیا اور ایسے دلنشین انداز میں دعوتِ محمدی کی حقیقت سمجھائی جس کا اثر قبول نہ کرنا کسی ایسے شخص کے بس میں نہ تھا جو حق پسندی کا کچھ بھی مادّہ اپنے اندر رکھتا ہو اور جاہلیت کی گمراہیوں کے عشق میں بالکل اندھا نہ ہو چکا ہو۔

موضوع اور مضمون | بات کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ تم لوگ ہمارے نبی کی پیش کردہ باتوں پر یہ کیا چہ میگوئیاں کرتے پھر رہے ہو۔ یہ باتیں کوئی نئی اور نرالی نہیں ہیں، نہ یہی کوئی نادر واقعہ ہے جو تاریخ میں پہلی ہی مرتبہ پیش آیا ہو کہ ایک شخص پر خدا کی طرف

سے وحی آتے اور اسے بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے ہدایات دی جائیں۔ ایسی ہی وحی، اسی طرح کی ہدایات کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر پے در پے بھیجتا رہا ہے۔ اور نرالی، اچنبھے کے قابل بات یہ نہیں ہے کہ آسمان و زمین کے مالک کو معبود اور حاکم مانا جائے، بلکہ یہ ہے کہ اس کے بندے ہو کر، اس کی خدائی میں رہتے ہوئے کسی دوسرے کی خداوندی تسلیم کی جائے۔ تم توحید پیش کرنے والے پر بگڑ رہے ہو، حالانکہ مالک کائنات کے ساتھ جو شرک تم کر رہے ہو وہ ایسا جرمِ عظیم ہے کہ آسمان اس پر پھٹ پڑیں تو کچھ بعید نہیں۔ تمہاری اس جسارت پر فرشتے حیران ہیں اور ہر وقت ڈر رہے ہیں کہ نہ معلوم کب تم پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑے۔

اس کے بعد لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ نبوت پر کسی شخص کا مقرر کیا جانا، اور اس شخص کا اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے پیش کرنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ خلقِ خدا کی قسمتوں کا مالک بنا دیا گیا ہے اور اسی دعوے کے ساتھ وہ میدان میں آیا ہے۔ قسمتیں تو اللہ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہیں۔ نبی صرف غافلوں کو چونکانے اور بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانے آیا ہے۔ اس کی بات نہ ماننے والوں کا محاسبہ کرنا اور انہیں عذاب دینا یا نہ دینا اللہ کا اپنا کام ہے۔ یہ کام نبی کے سپرد نہیں کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس غلط فہمی کو اپنے دماغ سے نکال دو کہ نبی اس طرح کے کسی دعوے کے ساتھ آیا ہے جیسے دعوے تمہارے ہاں کے نام نہاد مذہبی پیشوا اور پیر فقیر کیا کرتے ہیں کہ جو اُن کی بات نہ مانے گا، یا اُن کی شان میں گستاخی کرے گا وہ اسے جلا کر بھسم کر دیں گے۔ اسی سلسلے میں لوگوں کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نبی تمہاری بدخواہی کے لیے نہیں آیا ہے، بلکہ وہ تو ایک خیر خواہ ہے جو تمہیں خبردار کر رہا ہے کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو اس میں تمہاری اپنی تباہی ہے۔

پھر اس مسئلے کی حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ اللہ نے سارے انسانوں کو پیدائشی طور پر راست رو کیوں نہ بنا دیا اور یہ مجالِ اختلاف کیوں رکھی جس کی وجہ سے لوگ

فکر و عمل کے ہر اُلٹے سیدھے راستے پر چل پڑتے ہیں۔ بتایا گیا کہ اسی چیز کی بدولت یہ امکان پیدا ہوا ہے کہ انسان اللہ کی اُس رحمتِ خاص کو پا سکے جو دوسری بے اختیار مخلوقات کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف اُس ذی اختیار مخلوق کے لیے ہے جو جبلی طور پر نہیں، شعوری طور پر اپنے اختیار سے اللہ کو اپنا ولی (PATRON-GUARDIAN) بناتے۔ یہ روش جو انسان اختیار کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ سہارا دے کر، اس کی رہنمائی کر کے، اسے حسنِ عمل کی توفیق دے کر، اپنی رحمتِ خاص میں داخل کر لیتا ہے اور جو انسان اپنے اختیار کو غلط استعمال کر کے اُن کو ولی بناتا ہے جو درحقیقت ولی نہیں ہیں اور نہیں ہو سکتے، وہ اس رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ انسان کا اور ساری مخلوقات کا ولی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے دوسرے نہ حقیقت میں ولی ہیں، نہ ان میں یہ طاقت ہے کہ ولایت کا حق ادا کر سکیں۔ انسان کی کامیابی کا مدار اسی پر ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے اختیار سے ولی کا انتخاب کرنے میں غلطی نہ کرے اور اُسی کو اپنا ولی بنائے جو درحقیقت ولی ہے۔

اس کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ جس دین کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں وہ حقیقت میں ہے کیا:

اُس کی اوّلین بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ کائنات اور انسان کا خالق، مالک اور ولیِ حقیقی ہے، اِس لیے وہی انسان کا حاکم بھی ہے، اور اسی کا یہ حق ہے کہ انسان کو دین اور شریعت (اعتقاد و عمل کا نظام) دے اور انسانی اختلافات کا فیصلہ کر کے بتائے کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ دوسری کسی ہستی کو انسان کے لیے شارع (LAW-GIRVER) بننے کا سرے سے حق ہی نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر فطری حاکمیت کی طرح تشریعی حاکمیت بھی اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ انسان یا کوئی غیر اللہ اس حاکمیت کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص اللہ کی اِس حاکمیت کو نہیں مانتا تو اس کا اللہ کی

محض فطری حاکمیت کو ماننا لا حاصل ہے۔

اِسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ابتدا سے انسان کے لیے ایک دین مقرر کیا ہے۔

وہ ایک ہی دین تھا جو ہر زمانے میں تمام انبیاء کو دیا جاتا رہا۔ کوئی نبی بھی اپنے کسی الگ مذہب کا بانی نہیں تھا۔ وہی ایک دین اوّل روز سے نسلِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتا رہا ہے، اور سارے انبیاء اُسی کے پیرو اور داعی رہے ہیں۔

وہ دین کبھی محض مان کر بیٹھ جانے کے لیے نہیں بھیجا گیا، بلکہ ہمیشہ اس غرض کے لیے بھیجا گیا ہے کہ زمین پر وہی قائم اور رائج اور نافذ ہو، اور اللہ کے ملک میں اللہ کے دین کے سوا کسی اور کے ساختہ و پرداختہ دین کا سکّہ نہ چلے۔ انبیاء علیہم السلام اس دین کی محض تبلیغ پر نہیں بلکہ اُسے قائم کرنے کی خدمت پر مامور کیے گئے تھے۔

نوعِ انسانی کا اصل دین یہی تھا، مگر انبیاء کے بعد ہمیشہ یہ ہوتا رہا کہ خود غرض لوگ اس کے اندر اپنی خود پسندی، خود رائی اور خود نمائی کے باعث اپنے مفاد کی خاطر تفرقے برپا کر کے نئے نئے مذہب نکالتے رہے۔ دنیا میں یہ جتنے بھی مختلف مذہب پائے جاتے ہیں، سب اُسی ایک دین کو بگاڑ کر پیدا کیے گئے ہیں۔

اب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ ان متفرق طریقوں اور مصنوعی مذہبوں اور انسانی ساخت کے دینوں کی جگہ وہی اصل دین لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اسی کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اس پر خدا کا شکر ادا کرنے کے بجائے اگر تم اُلٹے بگڑتے ہو اور لڑنے کو دوڑتے ہو تو یہ تمہاری نادانی ہے۔ تمہاری اِس حماقت کی وجہ سے نبی اپنا کام نہیں چھوڑ دے گا۔ وہ اس بات پر مامور ہے کہ پوری استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر جم جائے اور اُس کام کو پورا کرے جس پر وہ مامور ہوا ہے۔ اُس سے یہ اُمید نہ رکھو کہ وہ تمہیں راضی کرنے کے لیے دین میں اُنھی اوہام و خرافات اور جاہلیت کی رسموں اور طور طریقوں کے لیے کوئی گنجائش نکالے گا جن سے خدا کا دین پہلے خراب

کیا جاتا رہا ہے۔

تم لوگوں کو یہ احساس نہیں ہے کہ اللہ کے دین کو چھوڑ کر غیر اللہ کے بنائے ہوئے دین و آئین کو اختیار کرنا اللہ کے مقابلے میں کتنی بڑی جسارت ہے۔ تم اپنے نزدیک اسے دنیا کا معمول سمجھ رہے ہو، اور تمہیں اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی مگر اللہ کے نزدیک یہ بدترین شرک اور شدید ترین جرم ہے جس کی سخت سزا ان سب لوگوں کو بھگتنی پڑے گی جنہوں نے اللہ کی زمین پر اپنا دین جاری کیا اور جنہوں نے ان کے دین کی پیروی اور اطاعت کی۔

اس طرح دین کا ایک صاف اور واضح تصور پیش کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم لوگوں کو سمجھا کر راہ راست پر لانے کے لیے جو بہتر سے بہتر طریقہ ممکن تھا وہ استعمال کیا جا چکا۔ ایک طرف اللہ نے اپنی کتاب نازل فرمائی جو نہایت دل نشین طریقے سے تمہاری اپنی زبان میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہے۔ اور دوسری طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کی زندگیاں تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں جنہیں دیکھ کر تم جان سکتے ہو کہ اس کتاب کی رہنمائی میں کیسے انسان تیار ہوتے ہیں۔ اس پر بھی اگر تم ہدایت نہ پاؤ تو پھر دنیا میں کوئی چیز تمہیں راہِ راست پر نہیں لا سکتی۔ اس کا نتیجہ تو پھر یہی ہے کہ تمہیں اُسی گمراہی میں پڑا رہنے دیا جائے جس میں تم صدیوں سے مبتلا ہو، اور اسی انجام سے تم کو دوچار کر دیا جائے جو ایسے گمراہوں کے لیے اللہ کے ہاں مقدر ہے۔

اِن حقائق کو بیان کرتے ہوئے بیچ بیچ میں اختصار کے ساتھ توحید اور آخرت کے دلائل دیئے گئے ہیں، دنیا پرستی کے نتائج پر متنبہ کیا گیا ہے، آخرت کی سزا سے ڈرایا گیا ہے، اور کفار کی اُن اخلاقی کمزوریوں پر گرفت کی گئی ہے جو ہدایت سے اُن کے منہ موڑنے کا اصل سبب تھیں۔ پھر کلام کو ختم کرتے ہوئے دو اہم باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی کے ابتدائی چالیس سال میں "کتاب" کے تصور سے بالکل خالی الذہن اور ایمان کے مسائل و مباحث سے قطعی ناواقف رہنا،

اور پھر یکایک اِن دونوں چیزوں کو لے کر دنیا کے سامنے آجانا، آپ کے نبی ہونے کا کھلا ہُوا ثبوت ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کا اپنی پیش کردہ تعلیم کو خدا کی تعلیم قرار دینا یہ معنی نہیں رکھتا کہ آپ خدا سے رُو در رُو کلام کرنے کے مدّعی ہیں، بلکہ خدا نے یہ تعلیم تمام انبیاء کی طرح آپ کو بھی تین طریقوں سے دی ہے۔ ایک وحی، دوسرے پردے کے پیچھے سے آواز، اور تیسرے فرشتے کے ذریعہ سے پیغام۔ یہ وضاحت اس لیے کی گئی کہ مخالفین یہ الزام تراشی نہ کر سکیں کہ حضور خدا سے رُو در رُو کلام کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں، اور حق پسند لوگ یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انسان نبوت کے منصب پر سرفراز کیا گیا ہو اُسے کن طریقوں سے ہدایات دی جاتی ہیں۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے

ح م ۔ ع س ق ۔ اِسی طرح اللہ غالب و حکیم تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کی طرف وحی کرتا رہا ہے[۱]۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اُسی کا ہے، وہ برتر

---

[۱] افتتاحِ کلام کا یہ انداز خود بتا رہا ہے کہ پس منظر میں وہ چہ میگوئیاں ہیں جو مکۂ معظمہ کی ہر محفل، ہر چوپال، ہر کوچہ و بازار، اور ہر مکان اور دوکان میں اُس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور قرآن کے مضامین پر ہو رہی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ نہ معلوم یہ شخص کہاں سے یہ نرالی باتیں نکال نکال کر لا رہا ہے۔ ہم نے تو ایسی باتیں نہ کبھی سُنیں نہ ہوتے دیکھیں۔ وہ کہتے تھے، یہ عجیب ماجرا ہے کہ باپ دادا سے جو دین چلا آرہا ہے، ساری قوم جس دین کی پیروی کر رہی ہے، سارے ملک میں جو طریقے صدیوں سے رائج ہیں، یہ شخص ان سب کو غلط قرار دیتا ہے اور کہتا ہے جو دین میں پیش کر رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ وہ کہتے تھے، اِس دین کو بھی اگر یہ اِس حیثیت سے پیش کرتا کہ دینِ آبائی اور رائج الوقت طریقوں میں اسے کچھ قباحت نظر آتی ہے اور اُن کی جگہ اِس نے خود کچھ نئی باتیں سوچ کر نکالی ہیں، تو اس پر کچھ گفتگو بھی کی جا سکتی تھی، مگر

اور عظیم ہے[۳]۔ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں[۴]۔ فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس

وہ تو کہتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو میں تمہیں سنا رہا ہوں۔ یہ بات آخر کیسے مان لی جائے؟ کیا خدا اِس کے پاس آتا ہے؟ یا یہ خدا کے پاس جاتا ہے؟ یا اِس کی اور خدا کی بات چیت ہوتی ہے؟ اِنہی چہ چوں اور چہ میگوئیوں پر بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے، مگر دراصل کفار کو سناتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ ہاں، یہی باتیں اللہ عزیز و حکیم وحی فرما رہا ہے اور یہی مضامین لیے ہوئے اس کی وحی پچھلے تمام انبیاء پر نازل ہوتی رہی ہے۔

وحی کے لغوی معنی ہیں "اشارۂ سریع" اور "اشارۂ خفی"، یعنی ایسا اشارہ جو سرعت کے ساتھ اس طرح کیا جائے کہ بس اشارہ کرنے والا جانے یا وہ شخص جسے اشارہ کیا گیا ہے، باقی کسی اور شخص کو اُس کا پتہ نہ چلنے پائے۔ اِس لفظ کو اصطلاحاً اُس ہدایت کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو بجلی کی کوندی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے کسی بندے کے دل میں ڈالی جائے۔ ارشادِ الٰہی کا مدعا یہ ہے کہ اللہ کے کسی کے پاس آنے یا اُس کے پاس کسی کے جانے اور رُو برُو گفتگو کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ غالب اور حکیم ہے۔ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جب بھی وہ کسی بندے سے رابطہ قائم کرنا چاہے، کوئی دشواری اس کے ارادے کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتی، اور وہ اپنی حکمت سے اس کام کے لیے وحی کا طریقہ اختیار فرما لیتا ہے۔ اسی مضمون کا اعادہ سورۃ کی آخری آیات میں کیا گیا ہے اور وہاں اسے زیادہ کھول کر بیان فرمایا گیا ہے۔

پھر یہ جو اُن لوگوں کا خیال تھا کہ یہ نرالی باتیں ہیں، اِس پر ارشاد ہوا ہے کہ یہ نرالی باتیں نہیں ہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء آئے ہیں اُن سب کو بھی خدا کی طرف سے یہی کچھ ہدایات دی جاتی رہی ہیں۔

[۳] یہ تمہیدی فقرے محض اللہ تعالیٰ کی تعریف میں ارشاد نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ اِن کا ہر لفظ اُس پس منظر سے گہرا ربط رکھتا ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے خلاف جو لوگ چہ میگوئیاں کر رہے تھے، ان کے اعتراضات کی اوّلین بنیاد یہ تھی کہ حضورؐ ان کو توحید کی دعوت دے رہے تھے اور

کی تسبیح کر رہے ہیں اور زمین والوں کے حق میں درگزر کی درخواستیں کیے جاتے ہیں۔[5] آگاہ رہو، حقیقت میں اللہ غفور و رحیم ہی ہے۔[6] جن لوگوں نے اُس کو چھوڑ کر اپنے کچھ دوسرے سرپرست[7] بنا رکھے

وہ اس پر کان کھڑے کر کر کے کہتے تھے کہ اگر اکیلا ایک اللہ ہی معبود، حاجت روا اور شارع ہے تو پھر ہمارے بزرگ کیا ہوئے؟ اس پر فرمایا گیا ہے کہ یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ مالک کے ساتھ اُس کی ملکیت میں کسی اور کی خداوندی آخر کس طرح چل سکتی ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ دوسرے جن کی خداوندی مانی جاتی ہے، یا جو اپنی خداوندی چلانا چاہتے ہیں، خود بھی اُس کے مملوک ہی ہیں پھر فرمایا گیا کہ وہ برتر اور عظیم ہے، یعنی وہ اِس سے بالاتر اور بزرگ تر ہے کہ کوئی اس کا ہمسر ہو، اور اس کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق میں سے کسی چیز میں بھی حصّہ دار بن سکے۔

[3] یعنی یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے کہ کسی مخلوق کا نسب خدا سے جا ملایا گیا اور اسے خدا کا بیٹا یا بیٹی قرار دے دیا گیا۔ کسی کو حاجت روا اور فریاد رس ٹھیرا لیا گیا اور اس سے دعائیں مانگی جانے لگیں۔ کسی بزرگ کو دنیا بھر کا کارساز سمجھ لیا گیا اور علانیہ کہا جانے لگا کہ ہمارے حضرت ہر وقت ہر جگہ ہر شخص کی سنتے ہیں اور وہی ہر ایک کی مدد کو پہنچ کر اس کے کام بنایا کرتے ہیں۔ کسی کو امر و نہی اور حلال و حرام کا مختار مان لیا گیا اور خدا کو چھوڑ کر لوگ اس کے احکام کی اطاعت اِس طرح کرنے لگے کہ گویا وہی ان کا خدا ہے۔ خدا کے مقابلے میں یہ وہ جسارتیں ہیں جن پر اگر آسمان پھٹ پڑیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ (یہی مضمون سورۂ مریم، آیات ۸۸-۹۱ میں بھی ارشاد ہُوا ہے)۔

[4] مطلب یہ ہے کہ فرشتے انسانوں کی یہ باتیں سن سن کر کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں کہ یہ کیا بکواس ہے جو ہمارے رب کی شان میں کی جا رہی ہے، اور یہ کیسی بغاوت ہے جو زمین کی اِس مخلوق نے برپا کر رکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں، سبحان اللہ، کس کی یہ حیثیت ہو سکتی ہے کہ رب العالمین کے ساتھ الوہیت اور حکم میں شریک ہو سکے، اور کون اُس کے سوا ہمارا اور سب بندوں کا محسن ہے کہ اُس کی حمد کے ترانے گائے جائیں اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔ پھر وہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ ایسا جرمِ عظیم دُنیا میں کیا جا رہا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہر وقت بھڑک سکتا ہے، اِس لیے وہ زمین پر بسنے والے اِن خود فراموش و خدا فراموش بندوں کے حق میں

بار بار رحم کی درخواست کرتے ہیں کہ ابھی ان پر عذاب نازل نہ کیا جائے اور انہیں سنبھلنے کا کچھ اور موقع دیا جائے۔

ھ یعنی یہ اُس کی حلیمی و رحیمی اور چشم پوشی و درگزر ہی تو ہے جس کی بدولت کفر اور شرک اور دہریت اور فسق و فجور اور ظلم و ستم کی انتہا کر دینے والے لوگ بھی سالہا سال تک، بلکہ اِس طرح کے پورے پورے معاشرے صدیوں تک مہلت پر مہلت پاتے چلے جاتے ہیں، اور ان کو صرف رزق ہی نہیں ملے جاتا بلکہ دنیا میں ان کی بڑائی کے ڈنکے بجتے ہیں اور زینتِ حیاتِ دنیا کے وہ سروسامان انہیں ملتے ہیں جنہیں دیکھ دیکھ کر نادان لوگ اس غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں کہ شاید اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے۔

ے اصل میں لفظ "اولیاء" استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم عربی زبان میں بہت وسیع ہے۔ معبودانِ باطل کے متعلق گمراہ انسانوں کے مختلف عقائد اور بہت سے مختلف طرزِ عمل ہیں جن کو قرآن مجید میں "اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی بنانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا تتبع کرنے سے لفظ "ولی" کے حسبِ ذیل مفہومات معلوم ہوتے ہیں:

۱- جس کے کہنے پر آدمی چلے، جس کی ہدایات پر عمل کرے، اور جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں رسموں اور قوانین و ضوابط کی پیروی کرے (النساء، آیات ۱۱۸ تا ۱۲۰- الاعراف ۳، ۲۷ تا ۳۰)۔

۲- جس کی رہنمائی (LEADERSHIP) پر آدمی اعتماد کرے اور یہ سمجھے کہ وہ اسے صحیح راستہ بتانے والا اور غلطی سے بچانے والا ہے (البقرہ ۲۵۷- بنی اسرائیل ۹۷- الکہف ۱۷، ۵۰- الجاثیہ ۱۹)۔

۳- جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ میں دنیا میں خواہ کچھ کرتا رہوں، وہ مجھے اُس کے بُرے نتائج سے اور اگر خدا ہے اور آخرت بھی ہونے والی ہے، تو اُس کے عذاب سے بچا لے گا (النساء ۱۲۳- ۱۷۳- الانعام ۵۱- الرعد ۳۷- العنکبوت ۲۲- الاحزاب ۶۵- الزمر ۳)۔

۴- جس کے متعلق آدمی یہ سمجھے کہ وہ دنیا میں فوق الفطری طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے، آفات و مصائب سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے روزگار دلواتا ہے، اولاد دیتا ہے، مرادیں بر لاتا ہے، اور دوسری ہر طرح کی حاجتیں پوری کرتا ہے (ہود: ۲۰- الرعد: ۱۶- العنکبوت: ۴۱)

بعض مقامات پر قرآن میں ولی کا لفظ اِن میں سے کسی ایک معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور بعض مقامات پر جامعیت کے ساتھ اُس کے سارے ہی مفہومات مراد ہیں۔ آیت زیرِ تشریح بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یہاں اللہ کے سوا دوسروں کو ولی بنانے سے مراد مذکورۂ بالا چاروں معنوں میں ان کو اپنا سرپرست بنانا اور حامی و مددگار سمجھنا ہے

ہیں، اللہ ہی اُن پر نگراں ہے، تم ان کے حوالہ دار نہیں ہو۔[۶]
ہاں، اِسی طرح اے نبی، یہ قرآنِ عربی ہم نے تمہاری طرف وحی کیا ہے[۷] تاکہ تم بستیوں کے

۶؎ "اللہ ہی اُن پر نگراں ہے" یعنی وہ ان کے سارے افعال دیکھ رہا ہے اور اُن کے نامۂ اعمال تیار کر رہا ہے۔ ان کا محاسبہ اور مواخذہ کرنا اُسی کا کام ہے۔ "تم ان کے حوالہ دار نہیں ہو" یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مطلب یہ ہے کہ ان کی قسمت تمہارے حوالے نہیں کر دی گئی ہے کہ جو تمہاری بات نہ مانے گا اُسے تم جلا کر خاک کر دو گے، یا اُس کا تختہ اُلٹ دو گے، یا اُسے تہس نہس کر کے رکھ دو گے۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو ایسا سمجھتے تھے اور آپ کی غلط فہمی یا بر خود غلطی کو رفع کرنے کے لیے یہ بات ارشاد ہوئی ہے۔ بلکہ اِس سے مقصود کفار کو سنانا ہے۔ اگرچہ بظاہر مخاطب حضور ہی ہیں، لیکن اصل مدعا کفار کو یہ بتانا ہے کہ اللہ کا نبی اُس طرح کا کوئی دعویٰ نہیں رکھتا جیسے بلند بانگ دعوے خدا رسیدگی اور روحانیت کے ڈھونگ رچانے والے عموماً تمہارے ہاں کیا کرتے ہیں۔ جاہلیت کے معاشروں میں بالعموم یہ خیال پایا جاتا ہے کہ "حضرت" قسم کے لوگ ہر اُس شخص کی قسمت بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں جو ان کی شان میں کوئی گستاخی کرے، بلکہ مر جانے کے بعد اُن کی قبر کی بھی کوئی توہین کر گزرے، یا اور کچھ نہیں تو ان کے متعلق کوئی بُرا خیال ہی دل میں لے آئے تو وہ اس کا تختہ اُلٹ دیتے ہیں۔ یہ خیال زیادہ تر "حضرتوں" کا اپنا پھیلایا ہوا ہوتا ہے، اور نیک لوگ جو خود ایسی باتیں نہیں کرتے، اُن کے نام اور ان کی ہڈیوں کو اپنے کاروبار کا سرمایہ بنانے کے لیے کچھ دوسرے ہوشیار لوگ اُن کے متعلق اِس خیال کو پھیلاتے ہیں۔ بہر حال عوام میں اِسے روحانیت و خدا رسیدگی کا لازمہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کو قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کے اختیارات حاصل ہوں۔ اِسی فریب کا طلسم توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ کفار کو سناتے ہوئے اپنے رسولِ پاک سے فرما رہا ہے کہ بلاشبہ تم ہمارے پیغمبر ہو اور ہم نے اپنی وحی سے تمہیں سرفراز کیا ہے، مگر تمہارا کام صرف لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ اُن کی قسمتیں تمہارے حوالہ نہیں کر دی گئی ہیں۔ وہ ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہیں۔ بندوں کے اعمال کو دیکھنا اور اُن کو عذاب دینا یا نہ دینا ہمارا اپنا کام ہے۔

مرکز (شہر مکہ) اور اُس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبردار کر دو[۹]، اور جمع ہونے کے دن سے ڈرا دو[۱۰] جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں۔

اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی اُمت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے، اور ظالموں کا کوئی ولی نہیں ہے[۱۱]۔ کیا یہ (ایسے نادان ہیں کہ) انہوں نے

---

۸ وہی بات پھر دہرا کر زیادہ زور دیتے ہوئے کہی گئی ہے جو آغازِ کلام میں کہی گئی تھی۔ اور "قرآنِ عربی" کہہ کر سامعین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ کسی غیر زبان میں نہیں ہے، تمہاری اپنی زبان میں ہے۔ تم براہِ راست اسے خود سمجھ سکتے ہو۔ اس کے مضامین پر غور کر کے دیکھو کہ یہ پاک صاف اور بے غرض تعلیم کیا خداوندِ عالم کے سوا کسی اور کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔

۹ یعنی انہیں غفلت سے چونکا دو اور متنبہ کر دو کہ افکار و عقائد کی جن گمراہیوں اور اخلاق و کردار کی جن خرابیوں میں تم لوگ مبتلا ہو، اور تمہاری انفرادی و قومی زندگی جن فاسد اصولوں پر چل رہی ہے ان کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۱۰ یعنی انہیں یہ بھی بتا دو کہ یہ تباہی و بربادی صرف دنیا ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ آگے وہ دن بھی آنا ہے جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جمع کر کے ان کا حساب لے گا۔ دنیا میں اگر کوئی شخص اپنی گمراہی و بدعملی کے برے نتائج سے بچ بھی نکلا تو اس دن بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور بڑا ہی بدقسمت ہے وہ جو یہاں بھی خراب ہو اور وہاں بھی اُس کی شامت آئے۔

۱۱ یہ مضمون اس سلسلۂ کلام میں تین مقاصد کے لیے آیا ہے:

اوّلاً، اس سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم اور تسلی دینا ہے۔ اس میں حضورؐ کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ آپ کفارِ مکہ کی جہالت و ضلالت اور اُوپر سے اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ دیکھ کر اس قدر زیادہ نہ کُڑھیں، اللہ کی مرضی یہی ہے کہ انسانوں کو اختیار و انتخاب کی آزادی عطا کی جائے، پھر جو ہدایت چاہے اسے ہدایت ملے اور جو گمراہ ہی ہونا پسند کرے اسے جانے دیا جائے جدھر وہ جانا چاہتا

اُسے چھوڑ کر دوسرے ولی بنا رکھے ہیں ؟ ولی تو اللہ ہی ہے ، وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے ، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱۲؎ ع ۱

ہے ۔ اگر یہ اللہ کی مصلحت نہ ہوتی تو انبیاء اور کتابیں بھیجنے کی حاجت ہی کیا تھی ، اس کے لیے تو اللہ جلّ شانہٗ کا ایک تخلیقی اشارہ کافی تھا ، سارے انسان اُسی طرح مطیعِ فرمان ہوتے جس طرح دریا ، پہاڑ ، درخت ، مٹی ، پتھر اور سب حیوانات ہیں (اس مقصد کے لیے یہ مضمون دوسرے مقامات پر بھی قرآن مجید میں بیان ہوا ہے ۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ، جلد اول ، ص ۵۲۵ تا ۵۲۷ ۔ ۵۷۰)

ثانیاً ، اس کے مخاطب وہ تمام لوگ ہیں جو اس ذہنی الجھن میں گرفتار تھے اور اب بھی ہیں کہ اگر اللہ فی الواقع انسانوں کی رہنمائی کرنا چاہتا تھا ، اور اگر عقیدہ و عمل کے یہ اختلافات ، جو لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں ، اسے پسند نہ تھے ، اور اگر اسے پسند یہی تھا کہ لوگ ایمان و اسلام کی راہ اختیار کریں ، تو اس کے لیے آخر وحی اور کتاب اور نبوت کی کیا ضرورت تھی ؟ یہ کام تو وہ بآسانی اس طرح کر سکتا تھا کہ سب کو مومن و مسلم پیدا کر دیتا ۔ اسی الجھن کا ایک شاخسانہ یہ استدلال بھی تھا کہ جب اللہ نے ایسا نہیں کیا ہے تو ضرور وہ مختلف طریقے جن پر ہم چل رہے ہیں ، اُس کو پسند ہیں ، اور ہم جو کچھ کر رہے ہیں اُسی کی مرضی سے کر رہے ہیں ، لہٰذا اُس پر اعتراض کا کسی کو حق نہیں ہے (اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے بھی یہ مضمون قرآن میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے ۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن ، جلد اوّل ، ص ۵۷۳ ۔ ۵۷۴ ۔ ۵۸۷ ۔ ۵۹۴ تا ۵۹۶ ۔ جلد دوم ص ۳۱۲ ۔ ۳۷۳ ۔ ۳۷۴ ۔ ۵۲۸ ۔ ۵۳۹ ۔ ۵۴۰) ۔

ثالثاً ، اس کا مقصد اہلِ ایمان کو اُن مشکلات کی حقیقت سمجھانا ہے جو تبلیغِ دین اور اصلاحِ خلق کی راہ میں اکثر پیش آتی ہیں ۔ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی آزادیٔ انتخاب و ارادہ ، اور اس کی بنا پر طبائع اور طریقوں کے اختلاف کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ، وہ کبھی تو کارِ اصلاح کی سُست رفتاری دیکھ کر مایوس ہونے لگتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ کرامتیں اور معجزات رونما ہوں تاکہ انہیں دیکھتے ہی لوگوں کے دل بدل جائیں ، اور کبھی وہ ضرورت سے زیادہ جوش سے کام لے کر اصلاح کے بے جا طریقے اختیار کرنے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں (اس مقصد کے لیے بھی یہ مضمون بعض مقامات پر قرآن مجید میں ارشاد

ہُوا ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، ص ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۵۶۶ تا ۵۶۹)۔

اِن مقاصد کے لیے ایک بڑا اہم مضمون اِن مختصر سے فقروں میں بیان فرمایا گیا ہے۔ دنیا میں اللہ کی حقیقی خلافت اور آخرت میں اس کی جنت کوئی معمولی رحمت نہیں ہے جو مٹی اور پتھر اور گدھوں اور گھوڑوں کے مرتبے کی مخلوق پر ایک رحمتِ عام کی طرح بانٹ دی جائے۔ یہ تو ایک خاص رحمت اور بہت اونچے درجے کی رحمت ہے جس کے لیے فرشتوں تک کو موزوں نہ سمجھا گیا۔ اسی لیے انسان کو ایک ذی اختیار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کر کے اللہ نے اپنی زمین یہ وسیع ذرائع اُس کے تصرّف میں دیئے اور یہ ہنگامہ خیز طاقتیں اس کو بخشیں تاکہ یہ اُس امتحان سے گزر سکے جس میں کامیاب ہو کر ہی کوئی بندہ اُس کی یہ رحمت خاص پانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ رحمت اللہ کی اپنی چیز ہے۔ اس پر کسی کا اجارہ نہیں ہے، نہ کوئی اسے اپنے ذاتی استحقاق کی بنا پر دعوے سے لے سکتا ہے، نہ کسی میں یہ طاقت ہے کہ اسے بزور حاصل کر سکے۔ اِسے وہی لے سکتا ہے جو اللہ کے حضور بندگی پیش کرے، اس کو اپنا ولی بنائے اور اس کا دامن تھامے۔ تب اللہ اس کی مدد اور رہنمائی کرتا ہے، اور اُسے اس امتحان سے بخیریت گزرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے تاکہ وہ اس کی رحمت میں داخل ہو سکے لیکن جو ظالم اللہ ہی سے منہ موڑ لے اور اس کے بجائے دوسروں کو اپنا ولی بنا بیٹھے، اللہ کو کچھ ضرورت نہیں پڑی ہے کہ خواہ مخواہ زبردستی اُس کا ولی بنے، اور دوسرے جن کو وہ ولی بناتا ہے، سرے سے کوئی علم، کوئی طاقت اور کسی قسم کے اختیارات ہی نہیں رکھتے کہ اس کی ولایت کا حق ادا کر کے اسے کامیاب کرا دیں۔

۱۲؎ یعنی ولایت کوئی من سمجھوتے کی چیز نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں اپنا ولی بنا بیٹھیں اور وہ حقیقت میں بھی آپ کا سچا اور اصلی ولی بن جائے اور ولایت کا حق ادا کر دے۔ یہ تو ایک امرِ واقعی ہے جو لوگوں کی خواہشات کے ساتھ بنتا اور بدلتا نہیں چلا جاتا، بلکہ جو حقیقت میں ولی ہے وہی ولی ہے، خواہ آپ اسے ولی نہ سمجھیں اور نہ مانیں، اور جو حقیقت میں ولی نہیں ہے وہ ولی نہیں ہے، خواہ آپ مرتے دم تک اسے ولی سمجھتے اور مانتے چلے جائیں۔ اب رہا یہ سوال کہ صرف اللہ ہی کے ولی حقیقی ہونے اور دوسرے کسی کے نہ ہونے کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کا حقیقی ولی وہی ہو سکتا ہے جو موت کو حیات میں تبدیل کرتا ہے، جس نے بے جان مادوں میں جان ڈال کر جیتا جاگتا انسان پیدا کیا ہے، اور جو حقِ ولایت ادا کرنے کی قدرت اور اختیارات بھی رکھتا ہے۔ وہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور ہو تو اسے ولی بناؤ، اور اگر وہ صرف اللہ ہی ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور کو اپنا ولی بنا لینا جہالت و حماقت اور خودکشی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

قرآن کی معاشی تعلیمات

ابو الاعلیٰ مودودی

۱۔ بنیادی حقائق انسانی معیشت کے بارے میں اولین بنیادی حقیقت، جسے قرآن مجید بار بار زور دے کر بیان کرتا ہے، یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع و وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اسی نے ان کو اس طرح بنایا اور ایسے قوانینِ فطرت پر قائم کیا ہے کہ وہ انسان کے لیے نافع ہو رہے ہیں۔ اور اسی نے انسان کو ان سے انتفاع کا موقع دیا اور ان پر تصرف کا اختیار بخشا ہے:

هُوَ الَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ (۶۷: ۱۵)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو رام کر دیا، پس چلو اس (زمین) کی پہنائیوں میں اور کھاؤ اس (خدا) کا رزق اور اسی کی طرف تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر واپس جانا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (۱۳: ۳)

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ بنائے، دریا جاری کیے اور ہر طرح کے پھلوں کی دو دو قسمیں پیدا کیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (۲: ۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہارے رزق کے لیے پھل نکالے، اور تمہارے لیے کشتی کو

الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا (۱۴: ۳۲-۳۴)

مسخر کیا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے، اور تمہارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے مفاد میں ایک دستور پر قائم کیا کہ پیہم گردش کر رہے ہیں، اور دن اور رات کو تمہارے مفاد میں ایک قانون کا پابند کیا، اور وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔[1] اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (۷: ۱۰)

ہم نے زمین میں تم کو اقتدار بخشا اور تمہارے لیے اس میں زندگی کے ذرائع فراہم کیے۔

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (۵۶: ۶۳-۶۴)

کیا تم نے غور کیا، یہ کھیتیاں جو تم بوتے ہو انہیں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟

۲۔ جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنا اللہ ہی کا حق ہے | اسی بنیاد پر قرآن یہ اصول قائم کرتا ہے کہ انسان ان ذرائع کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں نہ تو آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے خود حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے حدود وضع کر لینے کا مجاز ہے، بلکہ یہ حق خدا کا ہے کہ اس کے لیے حدود مقرر کرے۔ وہ عرب کی ایک قدیم قوم، مدین کی اس بات پر مذمت کرتا ہے کہ وہ لوگ کمائی اور خرچ کے معاملہ میں غیر محدود حقِ تصرف کے مدعی تھے:

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (۱۱: ۸۷)

انہوں نے کہا، اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے ان معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی سے جو کچھ کرنا چاہیں وہ نہ کر سکیں؟

---

[1] "یعنی جس کی تمہیں احتیاج تھی اور جس کو تم نے زبانِ حال سے مانگا، خواہ زبانِ قال سے مانگا ہو یا نہ مانگا ہو۔" بیضاوی، انوار التنزیل، ج ۳، ص ۱۶۱، مصطفی البابی، مصر، ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء)

وہ اس بات کو "جھوٹ" قرار دیتا ہے کہ آدمی خود کسی چیز کو حرام اور کسی کو حلال کہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ (۱۶:۱۱۶)	اور اپنی زبانوں سے یہ جھوٹے احکام نہ لگاؤ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔[۲]

وہ اس اختیار کو اللہ اور (اس کے نائب کی حیثیت سے) اس کے رسول کے لیے خاص کرتا ہے:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۷:۱۵۷)	وہ (رسول) ان کو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے، پاک چیزیں ان کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتا ہے، اور وہ بوجھ اور بندشیں ان پر سے اتارتا ہے جن سے وہ لدے اور جکڑے ہوئے تھے۔

۳- حدود اللہ کے اندر شخصی ملکیت کا اثبات | اللہ تعالیٰ کی بالاتر ملکیت کے ماتحت اور اس کی عائد کردہ حدود کے اندر قرآن شخصی ملکیت کا اثبات کرتا ہے:

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (۴: ۲۹)	ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہارے درمیان تجارت ہو آپس کی رضامندی سے۔
وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (۲:۲۷۵)	اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

---

[۲] "اس آیت میں تاکید اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ لوگ محض اپنے خیالات اور خواہشات کی بنا پر حلال اور حرام کا فیصلہ کریں"۔ بیضاوی، ج ۲، ص ۱۹۳۔

"اس آیت کا ماحصل یہ ہے، جیسا کہ عسکری نے بیان کیا ہے، کہ جس چیز کے حلال یا حرام ہونے کا حکم تم کو اللہ اور اس کے رسول سے نہ پہنچے اسے حلال یا حرام نہ کہو ورنہ تم اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ہو گے۔ کیونکہ حلت اور حرمت کا مدار اللہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے"۔ آلوسی، روح المعانی ج ۱۴، ص ۲۲۶، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۵ھ۔

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ (۲: ۲۷۹)	اور اگر تم سود لینے سے توبہ کر لو تو تمہیں اپنے راس المال واپس لینے کا حق ہے۔
اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (۲: ۲۸۲)	جب آپس میں کسی مقرر مدت کے لیے قرض کا معاملہ کرو تو اس کی دستاویز لکھ لو۔
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (۲: ۲۸۳)	اور اگر تم سفر میں ہو اور (قرض کی دستاویز لکھنے کے لیے) کاتب نہ پاؤ تو رہن بالقبض رکھو۔
لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (۴: ۷)	مردوں کے لیے اُس مال میں سے حصّہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے اس مال میں سے حصّہ ہے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو
لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (۲۴: ۲۷)	اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو۔
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ (۳۶: ۷۱)	کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے مویشی پیدا کیے اور یہ اُن کے مالک ہیں۔
اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (۵: ۳۸)	چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔
اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (۶: ۱۴۱)	فصل کاٹنے کے دن (زمین کی پیداوار میں سے) خدا کا حق ادا کرو۔
خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (۹: ۱۰۳)	اے نبی، اُن کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرو۔
وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ ۔۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ (۴: ۲)	یتیموں کا مال ان کے حوالہ کرو ۔ ۔ ۔ اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔

وَ اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ (۴ : ۲۴)

اور اِن (حرام عورتوں) کے سوا (باقی عورتوں کے معاملہ میں) یہ بات تمہارے لیے حلال کر دی گئی کہ تم انہیں اپنے اموال کے بدلے حاصل کرو، نکاح کرنے والے بن کر نہ کہ ناجائز تعلقات رکھنے والے بن کر۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً (۴ : ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو۔

وَ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا (۴ : ۲۰)

اور اگر تم نے کسی عورت کو (نکاح کے وقت) ڈھیر سا مال بھی دیا ہو تو (طلاق دیتے وقت) اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ (۲ : ۲۶۱)

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے تو اس سے سات بالیں نکلیں۔

وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ (۶۱ : ۱۱)

اور یہ کہ تم اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۔ (۵۱ : ۱۹)

اور ان کے مال میں حق ہے سائل (مدد مانگنے والے) اور محروم کے لیے۔

اِن احکام و ہدایات میں سے کسی کا تصور بھی شخصی ملکیت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن لازماً ایک ایسی معیشت کا نقشہ پیش کرتا ہے جو اپنے تمام گوشوں میں افراد کے حقوقِ مالکانہ پر مبنی ہے۔ اس میں کہیں اس تصور کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ اشیائے صرف (CONSUMER GOODS) اور وسائل پیداوار (MEANS OF PRODUCTION) میں فرق کر کے صرف مقدم الذکر تک شخصی ملکیت کو محدود رکھا جائے اور موخر الذکر کو اجتماعی ملکیت بنا دیا جائے۔ نیز اس میں یہ تصور بھی کہیں نہیں پایا جاتا کہ معیشت کا مذکورۂ بالا نقشہ صرف ایک عارضی مرحلے کی حیثیت رکھتا ہے اور اصل مقصود

کوئی ایسی منزل ہے جہاں شخصی ملکیت ختم کر کے اجتماعی ملکیت کا نظام قائم کر دیا جائے۔ اگر اس چیز کو قرآن میں مقصدِ اصلی کا مرتبہ حاصل ہوتا تو وہ صاف صاف اپنے اس مقصد کو بیان کرتا اور اس نظام کے متعلق احکام و ہدایات دیتا محض یہ بات کہ قرآن نے ایک جگہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ (زمین خدا کی ہے۔ ۷: ۱۲۸) کہا ہے، یہ نتیجہ نکالنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس سے زمین کی انفرادی ملکیت کا ابطال اور قومی ملکیت کا اثبات مقصود ہے۔ قرآن تو یہ بھی کہتا ہے کہ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے، ۲: ۲۸۴)۔ اس سے نہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی افراد کی ملکیت نہ ہو، اور نہ یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہ چیزیں قوم کی ملکیت ہوں۔ خدا کی ملکیت اگر انسانی ملکیت کی نفی کرتی ہے تو پھر افراد اور اقوام سب ہی کی ملکیت کی نفی کر دیتی ہے۔

سورہ نمبر ۴۱ کی آیت ۱۰ وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ سے بھی یہ استدلال درست نہیں ہے کہ زمین کے وسائلِ غذا کو قرآن سب انسانوں میں برابری کے ساتھ تقسیم کرنا چاہتا ہے اور یہ مساوات اجتماعی ملکیت کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے قرآن کا مقصود یہی نظام قائم کرنا ہے۔ بالفرض اگر اس آیت کا ترجمہ یہ مان بھی لیا جائے کہ "خدا نے زمین میں اس کے وسائل خوراک چار دن کے اندر ایک اندازے سے رکھ دیئے سب مانگنے والوں کے لیے برابر برابر"[3] تب بھی "مانگنے والوں" سے مراد محض انسان لے لینا درست نہ ہوگا۔ مانگنے والے تو انسانوں کے علاوہ تمام انواعِ حیوانات بھی ہیں جن کے وسائلِ خوراک خدا نے اسی زمین میں رکھے ہیں۔ اگر اس آیت کی رو سے سب مانگنے والوں کا حصہ مساوی ہے تو یہ برابری کا استحقاق محض انسانوں کے لیے مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

---

[3] یہ ترجمہ بجائے خود صحیح نہیں ہے۔ اصل الفاظ ہیں فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ اس میں لفظ سواءً کا تعلق زمخشری، بیضاوی، رازی، آلوسی اور دوسرے مفسرین نے ایام سے مانا ہے اور مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ "پورے چار دنوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیا"۔ للسائلین کے ساتھ سواءً کا تعلق جن مفسرین نے مانا ہے وہ اس کا مطلب بیننے میں "سب مانگنے والوں کے لیے مہیا کیے ہوئے"، یا "سب مانگنے والوں کی مانگ کے مطابق"۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، تفسیر سورہ حٰم السجدہ، حاشیہ نمبر ۱۲۔

اسی طرح قرآن کی اُن آیات سے بھی، جن میں معاشرے کے کمزور افراد کی رزق رسانی پر زور دیا گیا ہے، یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس مقصد کے لیے اجتماعی ملکیت کا انتظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ قرآن جہاں کہیں بھی اس ضرورت کا ذکر کرتا ہے وہاں لازماً اسے پورا کرنے کی ایک ہی صورت بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاشرے کے خوشحال افراد اپنے غریب رشتہ داروں اور یتامیٰ، مساکین، اور دوسرے محروم یا تنگ حال لوگوں پر محض خدا کی خوشنودی کے لیے خود بھی اپنے مال فراخدلی کے ساتھ خرچ کریں اور ریاست بھی ان کے اموال سے ایک مقرر حصّہ وصول کر کے اس کام میں صرف کرے۔ اِس غرض کے لیے اِس عملی صورت کے سوا کسی دوسری صورت کا کوئی تخیل قرآن میں قطعاً نہیں پایا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ کسی خاص چیز کو نجی انتظام کے بجائے اجتماعی انتظام میں لینے کی اگر ضرورت محسوس ہو تو ایسا کرنے میں قرآن کا کوئی حکم مانع بھی نہیں ہے لیکن شخصی ملکیت کی کُلّی نفی، اور اجتماعی ملکیت کے نظریے کو بطور ایک فلسفے اور نظام کے اختیار کرنا انسانی معیشت کے بارے میں قرآن کی اسکیم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

۴ ۔ **معاشی مساوات کا غیر فطری تخیل** قرآن اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت کے ایک پہلو کی حیثیت سے پیش کرتا ہے کہ دوسری تمام چیزوں کی طرح انسانوں کے درمیان رزق اور وسائلِ زندگی میں بھی مساوات نہیں ہے۔ مختلف تمدنی نظاموں کی مصنوعی بے اعتدالیوں سے قطع نظر جہاں تک بجائے خود اس فطری عدمِ مساوات کا تعلق ہے، اسے قرآن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا اور اس کی تقسیم و تقدیر (DISPENSATION) کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور اس کی پوری اسکیم میں کہیں اس تخیل کا نشان نہیں ملتا کہ اس عدمِ مساوات کو مٹا کر کوئی ایسا نظام قائم کرنا مطلوب ہے جس میں سب انسانوں کو ذرائعِ معاش برابر ملیں:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ	اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین کے خلیفہ
وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ	بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے اوپر بلند
لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (۶: ۱۶۵)	درجے دیئے تاکہ جو کچھ بھی تم لوگوں کو اس نے دیا

ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (۱۷ : ۲۱)

دیکھو، کس طرح ہم نے بعض لوگوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت تو درجات کے فرق اور تفضیل میں اور بھی زیادہ ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (۴۳ : ۳۲)

کیا تیرے رب کی رحمت (یعنی نبوت)، یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کی ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر بلند درجے دیئے ہیں تاکہ ان میں سے کچھ لوگ کچھ دوسرے لوگوں سے کام لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت (یعنی نبوت)، تو اس مال و دولت سے بھی بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کرتے ہیں[1]۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا (۱۷ : ۳۰)

درحقیقت تیرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان پر نظر رکھتا ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۴۲ : ۱۲)

آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں، جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

---

[1] یہ بات اس سیاق و سباق میں فرمائی گئی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کہتے تھے کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے سردار کو پیغمبر کیوں نہ بنایا گیا، خدا کو پیغمبر ہی بھیجنا تھا تو اس کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتخاب کی کیا وجہ ہو سکتی تھی (قرآن ۴۳ : ۳۱)۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ (۳۴ : ۳۹)

اے نبی، کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے نپا تلا کر دیتا ہے۔

قرآن ہدایت کرتا ہے کہ لوگوں کو یہ فطری عدم مساوات ٹھنڈے دل سے قبول کرنی چاہیے اور دوسروں کو جو فضیلت خدا نے بخشی ہو اس پر رشک و حسد نہ کرنا چاہیے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (۴ : ۳۲)

اور تمنا نہ کرو اس فضیلت کی جو اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر عطا کی ہو۔ مردوں کے لیے حصہ ہے ان کی کمائی میں سے اور عورتوں کے لیے حصہ ہے ان کی کمائی میں سے۔ البتہ اللہ سے اس کا فضل مانگو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

دو آیتیں جن سے آج کل کچھ لوگ یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قرآن لوگوں کے درمیان رزق میں مساوات چاہتا ہے، حسبِ ذیل ہیں:

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ (۱۶ : ۷۱)

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کی طرف پھیر دینے والے نہیں ہیں کہ وہ اور ان کے غلام اس میں برابر ہو جائیں۔ پھر کیا اللہ ہی کے احسان کا یہ لوگ انکار کرتے ہیں؟

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ

اللہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے۔ کیا تمہارے غلاموں میں سے کچھ غلام اس رزق میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے تمہارے ایسے شریک ہیں کہ تم اور وہ اس میں برابر ہوں اور

لِقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۔ (۳۰ : ۲۸)

تم ان سے اُس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟ اسی طریقہ سے ہم نشانیاں کھول کر پیش کرتے ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے ۔

لیکن ان دونوں آیتوں کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں، اور جس سیاق و سباق میں یہ آئی ہیں اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں دراصل معاشی عدمِ مساوات کو مذموم قرار دینے اور اس کو مٹا کر مساوات قائم کرنے کی کوئی تلقین نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس امر واقعہ کو، جو انسانوں میں پایا جاتا ہے، شرک کے خلاف ایک دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یعنی استدلال یہ ہے کہ جب تم اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ برابر کا شریک بنانے کے لیے تیار نہیں ہو تو اللہ کے متعلق تم نے یہ کیسا تصور قائم کیا ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی خدائی میں اس کا شریک ہے۔[۵]

۵۔ رہبانیت کے بجائے اعتدال اور پابندیٔ حدود قرآن اس حقیقت کو بھی بار بار زور دے کر بیان کرتا ہے کہ خدا نے دنیا میں اپنی نعمتیں اسی لیے پیدا کی ہیں کہ اس کے بندے ان سے متمتع ہوں۔ خدا کا منشا یہ ہرگز نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا کہ انسان ان نعمتوں سے اجتناب کر کے رہبانیت اختیار کرلے۔ البتہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ پاک اور ناپاک میں امتیاز کیا جائے، جائز اور ناجائز طریقوں میں فرق کیا جائے، تمتع اور انتفاع صرف حلال و طیب تک محدود رہے، اور اس میں بھی حد اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۔ (۲ : ۲۹)

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

[۵] یہ بات سورہ نمبر ۱۶ کو آیت ۵۱ سے ۷۶ تک اور سورہ نمبر ۳۰ کو آیت ۲۰ سے ۴۵ تک پڑھنے سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ دونوں عبارتوں میں موضوعِ بحث دراصل شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات ہے۔ ان دونوں مقامات کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم صفحات ۵۴۵ تا ۵۵۵ جلد سوم صفحات ۷۴۲ تا ۷۵۶۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (۷: ۳۲)

اے نبی، ان سے پوچھو، کس نے حرام کر دیا اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے اور رزق کی عمدہ چیزوں کو؟

وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۵: ۸۸)

اور کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تم کو بخشی ہیں حلال اور پاکیزہ اور بچتے رہو اس خدا کی نافرمانی سے جس پر تم ایمان لائے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۲: ۱۶۸)

لوگو، کھاؤ جو کچھ زمین میں ہے حلال اور پاک، اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (۷: ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو۔ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَرَهْبَانِيَّةَ اِۨبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (۵۷: ۲۷)

اور رہبانیت انہوں نے (یعنی عیسیٰ ابن مریم کے پیروؤں نے) خود ایجاد کر لی۔ ہم نے وہ ان پر نہیں لکھی تھی، مگر صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش ان پر لازم کی تھی، پس انہوں نے اس کا لحاظ نہ کیا جیسا کہ اس کا حق تھا۔

۶۔ **کسبِ مال میں حرام و حلال کا امتیاز:** اس غرض کے لیے قرآن یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ دولت صرف حلال طریقوں سے حاصل کی جائے اور حرام طریقوں سے اجتناب کیا جائے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس کی رضامندی

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (۴ : ۲۹)	سے[٦]. اور اپنے آپ کو (یا ایک دوسرے کو) ہلاک نہ کرو، اللہ تمہارے اوپر رحیم ہے ۔

۷۔ کسبِ مال کے حرام طریقے | باطل طریقوں کی پوری تفصیل تو احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اور قانونِ اسلامی کی کتابوں میں فقہاء نے بیان کی ہے ۔ لیکن ان میں سے بعض جن کی صراحت قرآن میں کی گئی ہے ، یہ ہیں :

(الف) وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲ : ۱۸۸)	اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حکّام کے سامنے پیش کرو تاکہ کھا جاؤ جانتے بوجھتے لوگوں کے مال گناہ کے ساتھ[٧]
(ب) فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ (۲ : ۲۸۳)	پس اگر تم میں سے ایک شخص دوسرے پر اعتماد کرکے کوئی امانت اس کے سپرد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے امانت ادا کرنی چاہیے اور اللہ، اپنے رب کے غضب سے ڈرنا چاہیے ۔
(ج) وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا	اور جو کوئی غلول (پبلک کے مال میں خیانت) کرے وہ اپنے خیانت کیے ہوئے مال سمیت

---

[٦] تجارت سے مراد ہے اشیاء اور خدمات کا تبادلہ بالعوض (الجصاص احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۰ مطبعۃ البہیۃ مصر، ۱۳۴۷ھ۔ ابن العربی احکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۰ مطبعۃ السعادہ مصر، ۱۳۳۱ھ) آپس کی رضامندی کی شرط خود بخود یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس تبادلہ میں کسی نوعیت کا دباؤ نہ ہو، اور نہ کوئی دھوکا یا ایسی چال ہو جو اگر دوسرے فریق کے علم میں آجائے تو وہ اس پر راضی نہ ہو۔

[٧] "حکام کے سامنے پیش کرنے سے مراد دوسرے کے مال کی ملکیت کا جھوٹا دعویٰ لیکر حاکموں کے پاس جانا بھی ہے، اور حکام کو ثبوت دے کر دوسرے کی ملکیت پر غاصبانہ قبضہ کرنا بھی"۔ (آلوسی، روح المعانی، ج ۲، ص ۶۰)۔

كَسَبَتْ ۔ (۳ : ۱۶۱)	قیامت کے روز حاضر ہوگا اور ہر ایک کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ ملے گا ۔
(د) اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (۵ : ۳۸)	چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو ۔
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا ۔ ۔ ۔ ۔ (۵ : ۳۳)	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں[۸] ان کی جزا تو یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا صلیب دیئے جائیں ۔ ۔ ۔
(ھ) اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (۴ : ۱۰)	جو لوگ یتیموں کے مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جلیں گے ۔
(و) وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ (۸۳ : ۳)	تباہی ہے ان کم تولنے والوں کے لیے جو دوسروں سے لیتے ہیں تو پورا پیمانہ بھر کے لیتے ہیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں ۔
(ز) اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (۲۴ : ۱۹)	جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں فحش کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک سزا ہے ۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ ۔ ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (۳۱ : ۶)	اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خریدتا ہے کلام دلفریب تاکہ اللہ کی راہ سے بھٹکا دے ۔ ۔ ۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔[۹]

[۸] اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ڈاکے اور رہزنی کے مرتکب ہوتے ہیں (الجصاص، ج ۲، ص ۴۹۴)

[۹] دیکھیے صفحہ (۳۳۸)

(ح) وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۔ (۲۴ : ۳۳)

اپنی لونڈیوں کو قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ بچنا چاہتی ہوں، محض اس لیے کہ تم دنیوی زندگی کے فائدے حاصل کرنا چاہتے ہو۔[١٠]

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (۱۷ : ۳۲)

اور زنا کے قریب نہ پھٹکو یہ بے حیائی اور برا چلن ہے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۲۴ : ۲)

زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔[١١]

حاشیہ صفحہ سابق، اس آیت میں کلام دلفریب سے مراد گانا بجانا اور ہر وہ لہو ولعب ہے جو راہِ خدا سے بھٹکانے والا ہو (ابنِ جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۲۱، ص ۳۹ تا ۴۱ مطبعۃ الامیریہ، مصر، ۱۳۲۸)۔

١٠ اس آیت کا اصل مقصد قحبہ گری کے پیشے کا انسداد ہے۔ لونڈیوں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ قدیم زمانے میں اہلِ عرب کے ہاں قحبہ گری (PROSTITUTION) کا سارا کاروبار لونڈیوں کے ذریعہ سے چلتا تھا۔ لوگ اپنی جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو چکلے میں بٹھا دیتے تھے اور ان کی کمائی کھاتے تھے (ابنِ جریر، ج ۱۸، صفحات ۵۵ تا ۵۸ - ۱۰۳ - ۱۰۴، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۳، ص ۲۸۸ - ۸۹ مطبعۃ مصطفیٰ محمد، مصر، ۱۹۴۷ء۔ ابن عبدالبرّ، الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۶۲، دائرۃ المعارف، حیدرآباد، ۱۳۳۷)۔

١١ زنا کو جرم قرار دینے کے ساتھ ہی اسلام میں زنا کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کو بھی حرام کر دیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدترین کمائی قرار دیا۔ بخاری، کتاب ۳۴، باب ۱۱۳۔ کتاب ۳۷ باب ۲۰۔ کتاب ۶۸ باب ۵۰۔ کتاب ۷۶ باب ۴۶۔ کتاب ۷۷ باب ۹۶۔

مسلم، کتاب ۲۲ حدیث نمبر ۳۹ - ۴۱

ابو داؤد، کتاب ۲۲ باب ۳۹ - ۶۳

ترمذی، کتاب ۹ باب ۳۷۔ کتاب ۱۲ باب ۴۶، کتاب ۲۶ باب ۲۳۔

نسائی، کتاب ۴۲ باب ۵۔ کتاب ۴۴ باب ۹۰ — ابن ماجہ، کتاب ۱۲ باب ۹۔

(۸) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (۵ : ۹۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، شراب اور جوا اور بُت اور فال کے تیر (یا پانسے)، تو گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو۔[۲۲]

(۹) وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (۲ : ۲۷۵)

اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔[۲۳]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲ : ۲۷۸ تا ۲۸۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور جو سود وصول طلب رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ قبول کرو۔ اور اگر توبہ کر لو تو تمہیں اپنے اصل مال واپس لینے کا حق ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اور اگر تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو اس کی آسودگی تک اسے مہلت دو۔ اور اگر معاف کر دو تو یہ

۲۲؎ "تمام وہ چیزیں جو قرآن میں حرام کی گئی ہیں ان کی صنعت و تجارت بھی ممنوع ہے کیونکہ تحریم تمام طریقوں سے انتفاع کے ممنوع ہونے کی مقتضی ہے" (الجصاص، ج ۲، ص ۲۱۲)

۲۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ بیع کی صورت میں اصل رأس المال پر جو منافع کسی شخص کو حاصل ہو، یا شرکت فی البیع کی صورت میں حصہ رسدی کے مطابق جو منافع شرکاء میں تقسیم ہو، وہ حلال ہے، لیکن قرض کے معاملہ میں اصل سے زائد اگر کوئی چیز قرض خواہ قرض دار سے وصول کرے تو وہ حرام ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ تجارتی منافع کی طرح جائز منافع قرار نہیں دیتا۔

تمہارے ہی لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔[۴۱]

اس طرح قرآن نے حصولِ دولت کے جن طریقوں کو ممنوع ٹھیرایا ہے وہ مختصراً یہ ہیں:

(۱) دوسرے کا مال اس کی رضا کے بغیر اور بلا عوض لینا، یا بالعوض اور برضا یا بلا عوض اور برضا اس طرح لینا کہ رضامندی کسی دباؤ یا دھوکے کا نتیجہ ہو، (۲) رشوت، (۳) غصب، (۴) خیانت، خواہ وہ افراد کے مال میں ہو یا پبلک کے مال میں۔ (۵) چوری اور ڈاکہ، (۶) مالِ یتیم میں بیجا تصرّف، (۷) ناپ تول میں کمی بیشی، (۸) فحش پھیلانے والے ذرائع کا کاروبار، (۹) گانے بجانے کا پیشہ، (۱۰) فحبہ گری اور زنا کی آمدنی، (۱۱) شراب کی صنعت اور اس کی بیع اور اس کا حمل و نقل، (۱۲) جوا اور تمام وہ طریقے جن سے کچھ لوگوں کا مال کچھ دوسرے لوگوں کی طرف منتقل ہونا محض بخت و اتفاق پر مبنی ہو، (۱۳) بت گری، بت فروشی اور بت خانوں کی خدمات، (۱۴) قسمت بتانے اور فال گیری وغیرہ کا کاروبار، (۱۵) سود، خواہ اس کی شرح کم ہو یا زیادہ اور خواہ وہ شخصی ضروریات کے قرضوں پر ہو یا تجارتی و صنعتی اور زراعتی ضروریات کے قرضوں پر۔

(باقی)

---

[۴۱] آیت کے الفاظ سے یہ بات خود ظاہر ہوتی ہے کہ یہ حکم قرض کے معاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس طرح کے کسی معاملہ میں اصل سے زائد اگر کوئی چیز قرض خواہ اپنے قرض دار سے لینے کی شرط کرے تو یہ ربوٰ ہے۔ اس میں نہ شرح کی کمی بیشی سے کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ یہ سوال قابلِ لحاظ ہے کہ قرض لینے والا کس غرض کے لیے لے رہا ہے۔

رابطۂ عالمِ اسلامی مکۂ معظّمہ کی کارگزاری

[ماہ نومبر کے آخر میں رابطۂ عالمِ اسلامی کی مجلسِ تاسیسی کا جو سالانہ اجلاس مکہ مکرمہ میں ہوا تھا، اس میں پچھلے سال کی کارگزاری کی حسبِ ذیل رپورٹ پیش کی گئی۔ اس اجلاس میں شریک ہونے کی دعوت اگرچہ مولانا مودودی کے نام بھی آئی تھی، مگر چونکہ حکومتِ پاکستان نے اُن کا پاسپورٹ ضبط کر لیا ہے، اس لیے وہ اس میں شریک نہ ہوسکے (ادارہ)]

مسئلۂ فلسطین رابطہ کی مجلسِ اساسی نے اپنے چوتھے اجلاس میں مسئلۂ فلسطین پر خصوصی توجہات مرکوز کی تھیں، اور ان سازشوں کا تفصیل و تحقیق کے ساتھ جائزہ لیا تھا جنہیں صہیونی اور استعماری طاقتیں مل کر تیار کر رہی ہیں۔ چنانچہ مجلسِ اساسی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل کوششیں رُوبعمل لائی جائیں:۔

اوّلاً۔ اہلِ علم سے یہ فتویٰ حاصل کیا جائے کہ شرعاً اس مسلمان حکومت کی کیا پوزیشن ہے جو اسرائیل کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرتی ہے۔

ثانیاً۔ مؤتمر اسلامی بیت المقدس کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ وہ تاریخی دستاویزات کی روشنی میں ایک یادداشت تیار کرے جس میں مسئلۂ فلسطین کا پُوری طرح جائزہ لیا جائے اور فلسطین پر یہودی دست درازیوں کو بے نقاب کیا جائے۔ نیز ایک ایسی کتاب تیار کی جائے جس میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا جائے کہ یہودیوں نے ہمیشہ عیسائیوں پر بلکہ تمام انسانیت پر مظالم توڑے ہیں۔

ثالثاً، بیت المقدس کی زمین کو غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت ہونے سے روکا جائے، کیونکہ اس مقدس شہر کی اراضی کو بڑی تیزی کے ساتھ مسیحی ادارے بیرونی مالی امداد سے خریدتے چلے

جا رہے ہیں اور اس سے مسلمانوں کے عملاً بے دخل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

د) ایضاً، دریائے اُردن کا رُخ موڑنے کے لیے اسرائیل کی سازش کا سدِ باب کیا جائے۔

رابطہ کے سکرٹریٹ نے ان چاروں امور کو نافذ کرنے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ چنانچہ رابطہ نے مسلم ممالک کے علماء کے نام ایک استفتاء بھیجا تھا جس میں یہودی ریاست کی دوستی کی شرعی حیثیت معلوم کی گئی تھی۔ یہ استفتاء پاکستان، انڈونیشیا، ملائشیا، افغانستان، ایران، عراق، ترکی، کویت، اردن، شام، یمن، لبنان، مصر، لیبیا، تونس، الجزائر، مراکش، موریتانیہ، سنی گال، مالی، نائیجیریا، گنی، سوڈان اور صومالی لینڈ کے علماء کو بھیجا گیا تھا۔ ان میں سے ابھی تک صرف پانچ ملکوں کا جواب موصول ہوا ہے: (۱) پاکستان (۲) اُردن (۳) صومالی لینڈ (۴) مراکش (۵) مصر۔ یہ پانچوں فتاویٰ اس امر پر متفق ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ کسی نوعیت کے تعلقات قائم کرنے حرام بلکہ قریب قریب کفر ہے۔ رابطہ باقی ممالک کے جواب کا منتظر ہے، جونہی فتاویٰ مکمل ہو گئے، انہیں مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے پھیلایا جائے گا۔

رابطہ کے سکرٹریٹ نے مؤتمر اسلامی قدس کے جنرل سکرٹری ڈاکٹر سعید رمضان کو مسئلۂ فلسطین کے بارے میں ایک مفصل یادداشت تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر سعید نے یہ یادداشت تیار کر کے کیتھولک کنیسا کے پوپ کو اُن کے دورۂ بیت المقدس کے موقع پر پیش کی۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اس یادداشت کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اسی طرح الحاج امین الحسینی کی زیرِ نگرانی ایک کتاب تیار ہو چکی ہے جو یہودیوں کی سیاہ تاریخ کو پوری طرح نمایاں کرتی ہے۔

بیت المقدس کی اراضی کو غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت ہونے سے روکنے کے لیے رابطہ نے پوری کوشش انجام دی ہے۔ چنانچہ مجلسِ اساسی کی تجویز کے مطابق رابطہ کا ایک وفد، جو شیخ عبداللہ قلقیلی (اردن)، شیخ مکی کتانی (شام)، شیخ محمد محمود صواف (عراق)، اور شیخ سعدی یاسین (لبنان) پر مشتمل تھا، بیت المقدس بھیجا گیا۔ وفد نے بیت المقدس کے اسلامی اداروں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں مسئلۂ زیرِ بحث کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ اس وفد کی کوششوں کے نتیجے میں اردن کی حکومت

نے پارلیمنٹ میں یہ بل پیش کیا ہے کہ اُردن یا غیر اُردن کی کوئی رفاہی انجمن، دینی جماعت، کمپنی یا سرکاری ادارہ القدس کے حدُود کے اندر واقع اراضی کو بیع یا وصیت یا ہبہ، یا وقف یا کسی بھی اور طریقہ سے اپنی ملکیت میں نہیں لے سکتا۔ اور نہ کسی غیر منقولہ جائداد کے اندر بالواسطہ یا بلاواسطہ تصرف کر سکتا ہے۔

دریائے اُردن کا رُخ تبدیل کرنے کے سلسلہ میں اسرائیل کی سازشوں کو ناکام کرنے کے لیے بھی رابطہ نے اپنی حد تک پُوری جدوجہد کی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ رابطہ کی یہ جدوجہد بار آور ہوئی۔ اسکندریہ کی حالیہ عرب سربراہوں کی منعقدہ کانفرنس میں عرب ممالک کا نہر اردن کے مسئلہ پر اتفاق رابطہ کی کامیابی کی نشاندہی کرتا ہے۔ رابطہ کے سکرٹریٹ کی طرف سے عرب سربراہوں کی کانفرنس کے نام ایک خط بھی لکھا گیا تھا۔ اس کا بھی نہایت مفید اثر ہوُا۔ بلکہ غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس میں بھی مسئلہ فلسطین کے بارے میں عرب ممالک کے موقف کی تائید کی گئی۔ اور فلسطینی قوم کے حق خود اختیاری کو تسلیم کیا گیا۔

مسئلہ یمن مجلس اساسی کے گزشتہ اجلاس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ یمن میں مسلمانوں کا قتلِ عام نہایت تشویش انگیز ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔ مزید یہ کہ اس خانہ جنگی سے بین الاقوامی طاقتوں کو دخل اندازی کا موقع مل رہا ہے۔ مجلس اساسی نے متعلقہ فریقوں سے اپیل کی تھی کہ وہ یمن کے داخلی معاملات میں دخل نہ دیں۔ دوسرے عرب اور اسلامی ممالک سے بھی اپیل کی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کی خونریزی کے سلسلے کو ختم کرواکر اپنا اسلامی فرض انجام دیں۔ اور پُر امن طریقے سے یمن کے باشندوں کو اپنے حق خود اختیاری کو استعمال کرنے کا موقع دلوائیں۔ چنانچہ اس اپیل کے جواب میں جلالۃ الملک فیصل نے قاہرہ کی چوٹی کانفرنس میں صدر ناصر سے تبادلۂ خیالات کیا اور اس کے بعد ایک مشترک بیان جاری ہوُا جس میں جنگ بندی کے ارادے ظاہر کیے گئے اور افہام و تفہیم کے ماحول میں اس اختلاف کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

انڈونیشیا اور ملائشیا کی کشمکش انڈونیشیا اور ملائشیا کی باہمی کشمکش ابھی تک جاری ہے۔ یہ

صورتِ حال تمام مسلمانوں کے لیے نہایت قلق انگیز ہے۔ اور اس سے بڑھ کر دردناک صورت کیا ہو سکتی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا گلا کاٹنا شروع کر دے۔ رابطہ کے سکرٹریٹ نے انڈونیشیا کے صدر سوکارنو اور ملائشیا کے وزیراعظم تنکو عبدالرحمان سے خط و کتابت کے ذریعے اختلافات کو ختم کرنے کی اپیل کی ہے۔ رابطہ اپنی کوششوں کو اس وقت تک جاری رکھے گا جب تک دونوں اسلامی ملک راہِ راست نہیں اختیار کر لیتے۔

امریکہ کے مسلمان | گزشتہ حج کے موقع پر امریکہ کے رنگدار مسلمانوں کے مذہبی لیڈر الحاج مالک حج پر تشریف لائے تھے اور رابطہ سے اسلامی لٹریچر طلب کیا تھا۔ یہ لٹریچر موصوف کو فراہم کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد موصوف ربیع الثانی میں پھر عمرے کے لیے تشریف لائے۔ اور جنرل سکرٹری سے ملاقات کی۔ اور ان کے سامنے امریکہ کے رنگدار مسلمانوں کے حالات بیان کیے اور ان مشکلات پر روشنی ڈالی جو وہاں کے مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ انہوں نے اپنے ادارے کی سرگرمیوں اور ضرورتوں کو بھی بیان کیا۔ اس گفتگو کے نتیجے میں جنرل سکرٹری نے اُن سے وعدہ کیا کہ رابطہ اپنے خرچ پر اُن کے لیے ایک عالمِ دین کا انتظام کرے گا جو لوگوں کو دینی تعلیم بھی دے گا اور اقامتِ صلوٰۃ کا فرض بھی انجام دے گا۔ چنانچہ جنرل سکرٹری نے شیخ احمد حسن سوڈانی کی خدمات حاصل کر لی ہیں اور الحاج مالک کو ان کی اطلاع کر دی ہے۔ شیخ احمد حسن کا ماہانہ مشاہرہ اب مجلس اساسی مقرر کرے گی۔

قرآنِ کریم کے تراجم | <u>انگریزی ترجمہ</u>: علامہ محمد اسد قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ کر رہے ہیں، اس کا پہلا حصہ مکمل ہو گیا ہے۔ اور وہ اس وقت پریس میں ہے۔ اور امید ہے کہ آئندہ ماہ منظرِ عام پر آ جائے گا۔ رابطہ اس ترجمہ کو نصف قیمت پر فروخت کرے گا۔ اور دنیا کے اسلام کی اسلامی جماعتوں اور اسلامی اداروں کو مفت مہیا کیا جائے گا۔

<u>جاپانی ترجمہ</u>: جاپان کے نامور نو مسلم عمر میتا رابطہ کے حساب پر مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں اور قرآن کریم کا جاپانی ترجمہ کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ کام اگلے سال تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

فرانسیسی ترجمہ: مشہور اہل علم ڈاکٹر حمید اللہ پچھلے دنوں مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ رابطہ کے سکرٹریٹ نے اُن سے ربط قائم کیا۔ موصوف سے یہ معلوم ہوا کہ وہ قرآن کریم کا فرانسیسی ترجمہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ فرانسیسی زبان کے بعض علماء سے یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ موجودہ فرانسیسی تراجم میں سب سے بہتر ہے۔ رابطہ نے موصوف سے تین ہزار نسخے خریدنے کا معاملہ طے کیا ہے۔ یہ نسخے دنیا کے اندر فرانسیسی زبان جاننے والوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔

چینی ترجمہ: مجلس اساسی کے رُکن ڈاکٹر صالح حسن شوان وو نے یہ اطلاع دی تھی کہ قرآن کریم کا ایک ایسا چینی ترجمہ دریافت ہوا ہے جو موجودہ چینی ترجمہ سے بہت بہتر اور صحیح ہے اور وہ اس ترجمہ کو دو ہزار کی تعداد میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جنہیں وہ چین، ملائشیا، فلپائن اور تھائی لینڈ کے مسلمانوں کے اندر پھیلائیں گے۔ سکرٹریٹ نے ڈاکٹر صالح سے ربط قائم کیا اور اُن کو ترجمہ کی اشاعت کے جملہ مصارف دیئے گئے۔ چنانچہ ڈاکٹر صالح نے اس ترجمہ کو چھپوا کر اس کی تقسیم شروع کر دی ہے۔

انڈونیشیا اور تھائی لینڈ کا دورہ | انڈونیشیا کی نہضۃ العلماء اور دوسری مسلم جماعتیں انڈونیشیا کے اندر ایک مؤتمر عام منعقد کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ اس مؤتمر کا پروگرام وضع کرنے کے لیے ان جماعتوں نے جاکارتا میں ایک اجلاس منعقد کیا اور اس میں رابطہ کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ رابطہ نے صدر رابطہ جناب مفتی اعظم شیخ محمد بن ابراہیم کے مشورے سے مفتیٔ اعظم کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز کی سربراہی میں ایک وفد بھیجا۔ اس وفد نے انڈونیشیا کے مسلمانوں کو رابطہ سے متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نیز رابطہ کا یہ وفد واپسی پر تھائی لینڈ سے گزرا اور وہاں کے مسلمانوں سے ربط قائم کیا اور انہیں رابطہ سے متعارف کرایا اور ان کو متحد ہونے کی دعوت دی۔ اس وفد کے دورے کا نتیجہ ہے کہ انڈونیشیا اور تھائی لینڈ کے مسلمانوں نے رابطہ کے اندر اپنی نمائندگی کی درخواست دی ہے۔

افریقہ میں دعوتِ اسلامی کا کام | شمالی نائیجیریا: نائیجیریا میں شمالی نائیجیریا کے وزیر اعظم الحاج احمد وبیلو نے، جو رابطہ کے رُکن ہیں، اسلامی دعوت کی اشاعت اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے نہایت زبردست مہم چلا رکھی ہے۔ چنانچہ اُن کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔

موصوف نے شمالی نائیجیریا کے بڑے بڑے شہروں میں متعدد مسجدیں اور اسلامی مدرسے قائم کیے ہیں۔ اور قرآن کریم کے ہزاروں نسخے تقسیم کیے ہیں۔ "احمد وبیلو یونیورسٹی" میں عربی زبان کی تعلیم کے لیے ایک فیکلٹی قائم کی ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی بنا رکھی ہے جو وہاں کے ممتاز علماء دین پر مشتمل ہے۔ اسی کمیٹی کی طرف سے "نصر الاسلام" کے نام سے ایک جماعت تشکیل کی گئی ہے جس کی سرگرمیاں پورے شمالی نائیجیریا کو محیط ہیں۔ اور اب یہ جماعت مبلغین اور دعوتِ اسلامی کے کارکن تیار کرنے کے لیے ایک بہت بڑا منصوبہ وضع کر چکی ہے جس کے تحت متعدد تربیتی انسٹی ٹیوٹ قائم کیے جا چکے ہیں۔ سعودی حکومت نے "جماعت نصر الاسلام" کو اس زبردست منصوبے کی تکمیل کے لیے ساٹھ ہزار پونڈ کی مدد دی ہے۔

<u>کیمرون</u>: کیمرون کے دار الحکومت وندا میں رابطہ کی طرف سے ایک اسلامک سنٹر کھولا گیا ہے جس کے لیے رابطہ نے تین ہزار پونڈ ادا کیے ہیں۔ یہ رقم کیمرون کے امیر الحج کو ادا کی گئی ہے اور اُن کے مشورہ سے اسلامک سنٹر کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

<u>مشرقی نائیجیریا</u>: مشرقی نائیجیریا میں بھی ایک اسلامک سنٹر کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اس مرکز کا افتتاح رابطہ کی مجلسِ اساسی کے رُکن کامل الشریف نے کیا ہے۔ اس کے ڈائرکٹر جناب شیخ ابراہیم نواجوای ہیں جو وہاں کے مشہور اہلِ علم میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے دعوت و تبلیغ کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ رابطہ کی طرف سے اس مرکز کو دس ہزار ریال ماہانہ امداد دی جا رہی ہے۔ نیز رابطہ یہ کوشش کر رہا ہے کہ سعودی عرب کے دوسرے صاحبِ ثروت لوگوں کو بھی اس مرکز کی مساعدت کی طرف توجہ دلائے تاکہ اس کے تحت ایک شفاخانہ، ایک اسلامی مدرسہ اور ایک لائبریری کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔

<u>ایجبی (نائیجیریا)</u>: ایجبی کا اسلامی ٹریننگ کالج نہایت مفید خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ رابطہ اس کالج کو پہلے پچاس پونڈ ماہانہ کی امداد دے رہا تھا۔ اس امداد کو بڑھا کر اب سو پونڈ ماہانہ کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اضافہ لاغوس کے سعودی سفیر کی سفارش پر کیا گیا ہے۔

ابقی (مغربی نائیجیریا): ابقی، جو مغربی نائیجیریا کا مشہور شہر ہے مسلمان آبادی پر مشتمل ہے وہاں متعدد اسلامی مدرسے قائم ہیں۔ یہ مدرسے بیرونی امداد کے شدید محتاج ہیں۔ چنانچہ رابطہ ان مدرسوں میں اپنے خرچ پر چار کمرے تعمیر کروا رہا ہے۔ اس کے لیے تین سو پونڈ ادا کر دیئے گئے ہیں۔

مشرقی افریقہ: مشرقی افریقہ کے بارے میں رابطہ کو متعدد سروے رپورٹیں مل چکی ہیں رابطہ نے ان تمام رپورٹوں کا جائزہ لینے کے لیے انہیں ثقافت کمیٹی کے سپرد کر دیا تھا۔ ثقافت کمیٹی نے غور و خوض کے بعد تین باتوں پر توجہ مرکوز کرنے کا مشورہ دیا ہے: (۱) گرمیوں کی چھٹیوں میں مشرقی افریقہ کے اندر مبلغین کی جماعتیں بھیجی جایا کریں (۲) کینیا کے گرلز اسکول کو امداد دی جائے، جو اسلامی تعلیم کی اشاعت میں غیر معمولی کوشش سرانجام دے رہا ہے۔ (۳) کینیا کی دونوں اسلامی انجمنوں کو کافی مقدار میں قرآن کریم اور دینی لٹریچر سپلائی کیا جائے۔

اسلامی اداروں کی امداد: اسلامی اداروں کو امداد دو صورتوں میں دی جا رہی ہے۔ ایک تو رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے براہِ راست اُس رقم میں سے امداد دی جا رہی ہے جو حکومت سعودی امداد کے طور پر رابطہ کو دیتی ہے اور جس کی کل مقدار بیس لاکھ ریال سالانہ ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت سعودی رابطہ کے مشورے اور ذریعے سے مختلف اداروں کو امداد دے رہی ہے۔

حکومت سعودی کی طرف سے رابطہ کے مشورے سے جو امداد دی گئی اُس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ شمالی نائیجیریا کی جماعت نصر الاسلام کو ساٹھ ہزار اسٹرلنگ پونڈ کی امداد۔

۲۔ سنی گال کے اسلامی مراکز اور سنی گال کے دار الحکومت ڈاکار میں مسجد کی تعمیر کے لیے سات لاکھ اور سات ہزار ریال کی یک مُشت امداد

۳۔ دارالحکومت نائیجیریا (لاگوس) میں ایک مسجد کی تعمیر کے لیے پانچ لاکھ ریال کی امداد

۴۔ انقرہ (ترکی) میں ایک زیرِ تعمیر "اسلامی شہر" کے اندر ایک مسجد اور ایک ہال بنانے کے لیے ۵ لاکھ ریال کی امداد۔

۵۔ سنی گال کی تعلیمی انجمنوں کی یونین کو تیس ہزار اسٹرلنگ پونڈ کی امداد

۶ - گنی کے دارالحکومت کوناکری میں ایک مسجد کی تعمیر کے لیے تین لاکھ پچاس ہزار ریال کی امداد۔

۷ - خرطوم (سوڈان) میں جماعت انصار السنۃ المحمدیہ کو ایک مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں آٹھ ہزار ایک سو اسّی سوڈانی پونڈ کی امداد۔

وہ ادارے جن کو رابطہ کے بجٹ سے امدادیں دی گئیں ان میں کچھ ادارے ماہانہ امداد حاصل کرتے ہیں اور کچھ سالانہ اور بعض کو یکمشت امداد دی گئی ہے۔ ان اداروں کے نام یہ ہیں:

ماہانہ امدادیں حاصل کرنے والے ادارے:-

۱ - جماعت حفظِ قرآن - مکہ مکرمہ

۲ - اسلامک سنٹر، لنکا

۳ - اسلامک سنٹر، امریکہ

۴ - جماعت انصار السنۃ المحمدیہ، مقدلشو (صومالی لینڈ)

۵ - اسلامی ٹریننگ کالج ایجبی، نائیجیریا۔

وہ ادارے جو سالانہ امداد حاصل کرتے ہیں:-

۱ - اسلامک سنٹر جنیوا، سوئٹزرلینڈ

۲ - دارالحدیث، مکہ مکرمہ

۳ - مدرسۃ المہاجرین، مکہ مکرمہ

۴ - مدرسہ عارفیہ، مکہ مکرمہ

۵ - مؤتمر قرآن، سوڈان

۶ - اسلامک سنٹر، مشرقی نائیجیریا

۷ - جمعیتہ البِر بابناء الشہداء (شہدائے فلسطین کے بچوں کی خیراتی انجمن)، اردن

۸ - جمعیتہ البِر ببنات الشہداء (شہدائے فلسطین کی بچیوں کی خیراتی انجمن)، اردن

وہ ادارے جن کو یکمشت امداد دی گئی:-

۱۔ اسلامی جمعیت، فلپائن

۲۔ اسلامک سنٹر، کیمرون

۳۔ اسلامک سنٹر بروکسل، بلجیم

۴۔ مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن، مغربی جرمنی

۵۔ اسلامی یونیورسٹی، مکاسر، انڈونیشیا

۶۔ جمعیت انصار السنۃ المحمدیہ، خرطوم، سوڈان

۷۔ اسلامک ایکزیکٹو ایسوسی ایشن، ٹوکیو، جاپان

۸۔ اسلامی جمعیت فارموسا، چین

۹۔ جماعت غربائے اہل حدیث، کراچی، پاکستان

۱۰۔ اسلامی مدرسہ، ایفی نائیجیریا

رابطہ کے تمام تر مصارف حکومت سعودی کی امداد پر قائم ہیں۔ مجلس اساسی نے اپنے پچھلے اجلاس میں فیصلہ کیا تھا کہ مجلس کے ارکان اپنی اپنی حکومتوں کو رابطہ کی امداد کے لیے توجہ دلائیں گے۔ لیکن ابھی تک ایسی کسی کوشش کا کوئی نتیجہ ہمارے سامنے نہیں آیا۔ البتہ یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ خلیج عربی کی ریاست ابوظبی کے امیر شیخ شخبوط ابن سلطان نے حج کے موقع پر رابطہ کو ڈیڑھ لاکھ سعودی ریال کی امداد دی ہے۔ اس وقت رابطہ کے دفتر میں اسی ایسی مزید درخواستیں پہنچ چکی ہیں جن میں رابطہ سے امداد طلب کی گئی ہے۔

ماہانہ میگزین رابطہ کا سرکاری آرگن "مجلۃ الرابطۃ الاسلامیۃ" باقاعدہ نکل رہا ہے۔ اس کی ماہانہ اشاعت چار ہزار ہے۔ رسالہ کا بدل اشتراک بہت کم رکھا گیا ہے تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جا سکے۔ اسلامی اداروں کو مفت بھیجا جاتا ہے۔

مسیحی کلیسا کی یہودیت نوازی

رابطہ عالم اسلامی کی مجلس اساسی کے حالیہ سالانہ اجلاس منعقدہ مکہ معظمہ میں مسیحی پادریوں کی یونیورسل کونسل کی اس قرارداد کا جائزہ لیا گیا جو یہودیوں کو حضرت مسیح کے قتل سے بری الذمہ قرار دینے کے سلسلہ میں صادر ہوئی ہے مجلس اساسی نے پورے غور و خوض کے بعد ذیل کی قرار دادِ مذمت پاس کی ہے :

کل کے اخبارات میں ویٹیکن کے پادریوں کی یونیورسل اکیڈیمی کی وہ قرارداد شائع ہوئی ہے جس میں اکیڈیمی کی غالب اکثریت نے قومِ یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کے جرم سے بری قرار دے دیا ہے۔ اس قرارداد کے صدور سے کافی عرصہ پہلے دنیا کے صیہونی حلقے اور اُن کی حامی استعماری طاقتیں اس براءت کے لیے مسلسل خفیہ اور علانیہ کوششیں کرتی رہی ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرارداد مذہبی نوعیت کی نہیں ہے بلکہ محض سیاسی سٹنٹ ہے جس کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ صیہونی نظریہ کو، جس کی شر انگیزیاں نہ صرف اسلام، نہ صرف عرب، بلکہ تمام انسانیت کو محیط ہیں، مسیحی دنیا کی تائید حاصل ہے۔ اس قرارداد کو روکنے اور اپنے دین و عقائد کو یہودیوں اور ان کے پٹھوؤں کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بچانے کے لیے مشرق اور مغرب کے بہت سے پادریوں نے جو کوششیں کی ہیں اُن کی ہم قدر کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

صلیبِ مسیح کے مسئلے میں اسلام کے موقف پر ہمارا کامل اور غیر متزلزل ایمان ہے۔ برحق بات وہی ہے جو قرآن کریم میں وارد ہوئی ہے کہ "مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" (نہ انہوں نے مسیح کو قتل کیا اور نہ صلیب دی بلکہ اُن پر معاملہ مشتبہ ہو گیا)۔ اب عقائد کی تبدیلی اور شریعت کی ترمیم کے لیے مسیحی پیشواؤں نے، اپنی خواہشات کے زیر اثر، جو حالیہ اقدام کیا ہے اس نے ہمارا اسلام اور

قرآن پر ایمان اور مضبوط کر دیا ہے۔ بے شک قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا (لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید)۔ ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ مسیحی اقوام نے اپنے موروثی عقائد کو جن پر دو ہزار سال سے ان کے اسلاف قائم رہے ہیں، مٹھی بھر پیشواؤں کی خواہشات کا کھلونا کیسے بننے کی اجازت دے دی ہے، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ پیشوا صیہونیت کے فریب کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہ صورتِ حال ان شکوک و شبہات کو مزید تقویت دیتی ہے جو مسیحی عقائد و کتب کے بارے میں خود عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔ مسیحی اقوام کا یہ موقف الحاد پرور اور مادہ پرست طاقتوں کو ایک نیا ہتھیار فراہم کر رہا ہے، جنہوں نے پہلے ہی مسیحی شرائع کو ہدفِ تسخیر بنا رکھا ہے اور ایک ایک کر کے اُن کے تار و پود بکھیر رہی ہیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کیتھولک کلیسا کے بعض بڑے رہنماؤں کو بیس صدیوں کے بعد یہ نیا انکشاف ہوا ہے کہ ان کی مقدس کتابیں غلط ہیں اور یہودیوں نے نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب نہیں دی، پھر بھی ان مظالم و مصائب کے بارے میں یہ رہنما کیا کہتے ہیں جو یہودی قوم حضرت مسیح علیہ السلام پر آغازِ رسالت سے لے کر ان کے رفع تک برابر توڑتی رہی۔ اور اسی طرح اُن خوں آشام تاریخی المیوں کے بارے میں اُن کی کیا رائے ہے جو پیروانِ مسیح کو ہر اُس جگہ یہودیوں کے ہاتھوں پیش آتے ہیں جہاں یہودیت کو قوت و اقتدار حاصل ہوتا رہا ہے۔ بلکہ ان تازہ واقعات کے بارے میں وہ کیا فرماتے ہیں جنہیں دنیا کی نیوز ایجنسیاں اور اخبارات برابر نشر کر رہے ہیں اور جن سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ نام نہاد اسرائیل کے اندر یہودی قوتیں عیسائی رعایا پر مظالم توڑ رہی ہیں، عیسائیوں کے گرجے چھینے جا رہے ہیں، ان کی جائدادیں ضبط کی جا رہی ہیں اور عیسائی پادریوں کو جیلوں کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس بنا پر کیا جا رہا ہے کہ اسرائیل صرف یہودی قوم کا وطن ہے اور یہودی مذہب کے سوا کسی دوسرے مذہب کو اس سرزمین میں پنپنے کی اجازت نہیں ہے۔

افسوس ہے کہ کیتھولک کلیسا کے رہنما ان تمام نئے اور پرانے حقائق کو فراموش کر رہے

ہیں اور اپنے مذہب کو ایک ایسے عظیم رسوا کن حادثے کی نذر کر رہے ہیں جس کی مثال مذاہبِ عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ محض بین الاقوامی صہیونی تحریک کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور ان مٹھی بھر سیاستدانوں کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے جو اپنی سیاسی اغراض کے پیچھے صہیونی تحریک کے فریب کا شکار ہو چکے ہیں، انہوں نے اپنے مذہب اور اپنی مذہبی تاریخ اور روایات میں یہ تحریف کی ہے۔

بین الاقوامی صہیونی ادارے کا کیتھولک کلیسا کے پیشواؤں پر اثر انداز ہو کر مذکورہ بالا قرار داد پاس کرانے میں کامیاب ہو جانا، یہ معنی رکھتا ہے کہ کیتھولک کلیسا اپنے عہدِ جدید میں صہیونیت کی حمایت اور اسلام اور عربوں کے حق میں معاندانہ روش پر چلنے کے لیے بالکل تیار ہو چکا ہے۔ اور اب ملتِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں پیش آنے والے نئے معاندانہ اقدامات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہے۔ کیتھولک کلیسا کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا اس معاندانہ روش کو اختیار کیے رکھنا، جس میں مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ خیر سگالی کا شائبہ تک نہیں ہے، دنیائے اسلام اور مسیحی دنیا کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکانے کے سوا کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ اور یہی وہ مقصد ہے جسے یہودی پورا کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اس نئی ملی بھگت سے خود مذہبی نقطۂ نظر سے کیتھولک چرچ کو بعید الاثر نقصانات کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ کیتھولک چرچ کے عرب متبعین پر ایک نہ ایک روز لازماً یہ منکشف ہو کر رہے گا کہ ان کا مذہب اور ان کی مذہبی روایات سیاسی اغراض کا بازیچہ بن چکی ہیں۔

اس موقف کے بعد ویٹیکن اسٹیٹ کے مصالح کو بھی اسلامی ممالک میں گہرے نقصانات کا سامنا ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اسلامی ممالک میں کیتھولک کلیسا کے مختلف ادارے اور افراد موجود ہیں جو اس وقت خوشگوار زندگی سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں اور صدیوں سے مسلمانوں اور عربوں کی مہمان نوازی اور حسنِ سلوک کے سائے میں رہ رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ اس طویل تاریخ کو فراموش کر گئے ہیں کہ جب مسیحی فرقے خانہ جنگی میں مبتلا تھے اور ایک دوسرے پر مظالم ڈھا رہے تھے اُس وقت

تمام عیسائیوں کے لیے دیارِ اسلام کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ تھی اور مسلمانوں کے دامن کے سوا انہیں کہیں امن نصیب نہ تھا۔

رابطہ عالمِ اسلامی کی مجلسِ اساسی مذکورہ قرارداد کے پس منظر میں کام کرنے والے ناپاک سیاسی ہتھکنڈوں کی شدید مذمت کرتی ہے۔ اور مسلمان اقوام اور مسلمان حکام سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے دینِ حق پر زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوں اور اس ناپاک گٹھ جوڑ کے خلاف متحد ہو جائیں اور یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اُن کا باہم اتحاد ہی واحد پناہ گاہ ہے جو انہیں دشمنوں کی شرارتوں اور سازشوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ (ولینصرن اللہ من ینصرہٗ، اِنَّ اللہ لَقَوِیٌّ عَزِیْز)۔

(بقیہ اشارات)

علامہ سرخسیؒ کی ان تصریحات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے خاص حالات میں لوگوں کی ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے اور کسی وقت اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے جب دو ناگزیر بُرائیوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو تو پھر شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ شدید تر برائی کے مقابلے میں کم تر برائی کو بہ ضرورت گوارا کر لیا جائے۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الجاسوس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے جس سے اس اصول کی حکمتیں اور اس کی مصلحتیں بآسانی سمجھ میں آسکتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور زبیر اور مقداد بن اسود کو روانہ کیا اور ارشاد فرمایا: تم روضۂ خاخ کے مقام پر جاؤ۔ وہاں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے، وہ اس سے لے لینا۔ ہم ارشادِ نبویؐ سنتے ہی گھوڑوں پر سوار ہو کر چل نکلے یہاں تک کہ روضۂ خاخ کا مقام آگیا۔ ہم نے جب دیکھا تو واقعی ایک عورت اونٹ پر سوار جارہی تھی۔ ہم نے اُس سے کہا اخرجی الکتاب "خط نکال دے"۔ اس نے کہا ما معی من کتاب "میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے"۔ ہم نے کہا: لتخرجن الکتاب اولنلقین الثیاب "تجھے خط نکال کر دینا ہو گا ورنہ ہم تیرے کپڑے اُتار دیں گے"۔ آخر کار اس نے مجبور ہو کر اپنی چٹیا سے خط نکال کر دے دیا۔

جو حضرات شریعت کے مزاج سے معمولی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ اس امر کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام نے عورت کی شرم وحیا کی کس قدر پاسداری کی ہے اور اس معاملے میں اس کے احکام کتنے شدید ہیں کسی عورت کا برہنہ کر دینا تو ایک بہت بڑی بات ہے جس کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا شریعت تو غیر محرم کی آواز تک کو سننا پسند نہیں کرتی لیکن جب ضرورت لاحق ہوئی تو تینوں مقدس صحابیوں نے اسے برہنہ کرنے کی دھمکی دے دی اور اگر وہ خط نہ دیتی تو وہ ضرور برہنہ کر کے ہی اس کی تلاشی لیتے اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کے سوا اور کیا وجہ بتائی جا سکتی ہے کہ وہ عورت جو خط لیجا رہی تھی وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے امت مسلمہ کے لیے ایک عورت کے ستر کو کھولنے کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ ضرر رساں تھا۔ اسی لیے ان تینوں پاکیزہ ہستیوں نے حضور سرور کائنات کے ارشاد کے مطابق اس سے خط حاصل کرنے کی کوشش کی ظاہر بات ہے کہ اس تگ و دو میں انہیں غیر محرم عورت سے ہمکلام بھی ہونا پڑا، اور پھر اسے برہنہ کرنے کے لیے بھی وہ تیار ہو گئے۔ علامہ بدرالدین عینی اپنی شرح بخاری میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومما یستفاد منه، فیه هتك ستر الجاسوس رجلاً کان او امراۃ اذا کانت فی ذلك مصلحة او کان فی الستر مفسدۃ۔

اس حدیث سے اس امر کا جواز نکلتا ہے کہ جاسوس کو برہنہ کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت جبکہ مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہو اور ستر نہ کھولنے میں مفسدہ ہو۔

اور دیکھیے اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا قرآن مجید کا کتنا واضح اور صاف حکم ہے اور اس پر اسلامی حکومت میں کتنی سختی کے ساتھ عمل ہوتا رہا ہے خود حضور سرور عالم کے احساسات اس معاملے میں کتنے شدید تھے اس کا اندازہ اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ لیکن خود حضور سرور کائنات نے ہی میدان جنگ میں اس سزا کو معطل کر دیا۔ حافظ ابن قیم اس حکم پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا سے منع فرما دیا۔ حالانکہ یہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے۔ جنگ میں اس کو منع کر دینے کی مصلحت یہ ہے کہ کوئی مسلمان حمیت جاہلیہ یا غضب میں آکر کفار سے نہ جا ملے۔ اور اس طرح اس سے ایک ایسے جرم کا ارتکاب ہو جائے جو اللہ کی نظر میں سرقہ کی سزا معطل کر دینے سے زیادہ ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت حذیفہؓ سے یہی مروی ہے۔ علمائے اسلام میں امام احمد، امام اسحٰق بن راہویہ، امام اوزاعیؒ وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ دشمن کے علاقے میں حدیں جاری نہ

کی بات نہیں ...... امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک تحریری اعلان جاری کیا تھا کہ سپہ سالار جنگ پر اور عام غازی پر بحالتِ جنگ حد جاری نہ کی جائے یہاں تک کہ فوج پلٹ کر گھر آ جائے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطانی حمیت میں آکر وہ دشمنوں سے جا ملے ۔" (اعلام الموقعین جلد سوم ص ۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون مزاج شناس شریعت ہو سکتا ہے اور اُن کے دل سے زیادہ اللہ کی حدود کو قائم کرنے کی تڑپ کس کے دل میں ہو سکتی ہے لیکن انہوں نے بھی قحط سالی کے وقت چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا کو ساقط کر دیا حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے حضرت سعدی نے سوال کیا؟ آپ کا فتویٰ بھی یہی ہے تو آپ نے فرمایا :

"ان سرق فی مجاعۃ لا نقطعہ" "اگر کوئی شخص قحط سالی میں چوری کریگا تو ہم اس کا ہاتھ نہ کاٹیں گے۔"

اسی ضمن میں سعدی نے حضرت حاطب کے غلاموں کے بارے میں خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فیصلہ نقل کیا ہے حضرت حاطب کے غلاموں نے قبیلہ مزینہ کی اونٹنی چرائی انہیں دربارِ فاروقی میں طلب کیا گیا انہوں نے اپنی چوری کا اقرار کر لیا۔ آپ نے حضرت حاطب کو بلوایا اور اُن کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا پھر جلاد سے کہا جاؤ ان کے ہاتھ کاٹ دو جب وہ انہیں لے کر چلا تو آپ نے پھر آواز دیکر انہیں واپس بلوایا اور فرمایا: مجھے معلوم ہے تم ان غلاموں سے انکی حد استطاعت سے زیادہ کام لیتے ہو لیکن انہیں بھوکا رکھتے ہو۔ وہ اس اضطرار کی حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کے لیے حرام چیز کا لینا بھی جائز ہو جاتا ہے اس وجہ سے میں انکے ہاتھ کاٹنے کا حکم واپس لیتا ہوں اور جب میں نے یہ کیا ہے تو اب میں تم پر گراں قدر جرمانہ ڈالونگا پھر آپ نے مزنی سے پوچھا کہ تمہاری اونٹنی کی زیادہ سے زیادہ کیا قیمت ہے۔ اُس نے کہا چار سو۔ آپ نے فرمایا: جاؤ انہیں آٹھ سو ادا کرو۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور امام اوزاعی نے قحط سالی میں قطعِ ید کو ساقط کر دینے کی تائید کی ہے۔ یہی شناس قیاس ہے اور یہی مقتضائے شریعت ہے۔ (اعلام الموقعین جلد ۵ ص ۲۲-۲۳)

ضرورت کی بنا پر جبکہ وہ ضرورت فی الواقع موجود ہو، اسلامی شریعت کے کسی حکم کا التوا، دین کے اندر کوئی بدعت اور اس کے خلاف کوئی سازش نہیں ہے۔ یہ ایک رخصت ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے امت کو دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدس اور آپ کے باکبار صحابہ کی زندگیوں میں اس قسم کی رخصتوں کی اہمیت کو اس امت کے تمام ائمہ اور علماء نے ہر دور میں پوری طرح نگاہ میں رکھا ہے اور پھر اس کی روشنی میں عوام کو عملی زندگی کے معاملات میں حکیمانہ رہنمائی دی ہے۔

رخصت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کوئی فعل اپنی اصل کے اعتبار سے ناجائز ہو لیکن بضرورت وہ تا بحد ضرورت جائز قرار دیا جائے۔ چنانچہ علامہ سیف الدین آمدی اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں رخصت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الرخصة ما أبيح فعله مع كونه حراماً (ص۱۸۸)	رخصت سے مُراد یہ ہے کہ ایک فعل کے حرام ہونے کے باوجود اس کا ارتکاب جائز کر دیا جائے۔
الرخصة ما جاز فعله او ترك الفعل به لعذر مع قيام السبب المحرم ص۱۸۸ -	رخصت یہ ہے کہ کسی فعل کا ارتکاب یا کسی حکم کی تعمیل کا ترک کسی عذر کی وجہ سے جائز ہو جائے، درآنحالیکہ اُس کے اندر حرمت کا سبب موجود ہو۔

اس کی تشریح انہوں نے چند مثالوں سے کی ہے مثلاً عام حالات میں مُردار کا گوشت کھانا یا شراب پینا حرام ہے لیکن اگر کسی کی جان خطرے میں ہو اور اُس کی زندگی کے بچاؤ کی ان حرام چیزوں کے استعمال کے بغیر کوئی صورت نہ ہو تو پھر حرمت کے باوجود ان سے اُس شخص کا بقدرِ ضرورت فائدہ اٹھانا بالکل جائز ہے۔ اسی طرح نماز کے لیے وضو ضروری ہے لیکن اگر کسی شخص کو زخم آگیا ہو اور وضو کرنے سے اس کی تکلیف کے بڑھ جانے کا احتمال ہو یا پانی تک اُس کی رسائی ممکن نہ ہو یا پانی اتنا مہنگا ہو کہ وہ اسے خریدنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اُسے بجائے وضو کے تیمم سے نماز ادا کر لینی چاہیے۔

اسی سلسلہ میں فقہاء نے ایک اصول یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر ایک انسان کسی وقت ایسے حالات میں گھر جائے جب ایک کام کے کرنے میں اُسے مصلحت نظر آتی ہو لیکن اگر وہ اس کے بجائے دوسرا اقدام کرے تو اس سے ایک فتنہ دُور کیا جا سکتا ہو تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ مصلحت کے مقابلے میں پہلے فتنہ کو دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اس اصول کو بیان فرماتے ہوئے علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

درء المفاسد اولى من جلب المصالح فاذا تعارضت مفسدة ومصلحة قُدِّمَ دفع المفسدة غالباً لان اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بالمامورات ولذا قال عليه السلام اذا امرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم واذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه (الاشباه والنظائر ص[illegible])	مفاسد کا دُور کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہے جب شر اور مصلحت کے درمیان کبھی تعارض پیدا ہو جائے تو دفع شر کو مقدم رکھنا چاہیے کیونکہ شریعت نے اوامر کے مقابلے میں نواہی پر زیادہ زور دیا ہے۔ اور اسی بنا پر حضورؐ نے فرمایا ہے جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تمہیں اپنی مقدرت کے مطابق اُسے کرنا چاہیے اور جب میں کسی بات سے منع کر دوں تو تمہیں رک جانا چاہیے۔

یہ ہیں مختصر طور پر وہ اصول جن کے تحت مجبوری کے عالم میں احکامِ شریعت کے اندر تقدیم و تاخیر یا عارضی التوا کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کا پوری طرح احساس ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسے مفاد پرستوں نے بسا اوقات اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ خود حافظ ابن قیم اور دوسرے ائمہ نے اس کی نزاکت کو شدید طور پر محسوس کیا ہے اور ان میں ہر ایک نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اس استثنا یا التوا سے شدید ضرورت کی حد تک صرف دینی مصالح کے حصول کی غرض ہی سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ کام ہر کہ و مہ اچھی طرح سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے قرآن حکیم، حدیث نبوی، قضایا و فتاویٰ صحابہ، مسالکِ ائمہ مجتہدین اور تحقیقی مکاتبِ فکر پر وسیع اور گہری نظر ہونے کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضوں کو صحت کے ساتھ جاننے کی بھی اشد ضرورت ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ نازک کام انھی حضرات کے ہاتھوں سرانجام دیا جا سکتا ہے جو تعلق باللہ، تقویٰ اور تدیّن کی صفات سے متصف ہوں۔ اور حق یہ ہے کہ یہ آخری وصف ان نازک معاملات کا فیصلہ کرنے میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

مگر ان سارے حقائق کو نگاہ میں رکھنے کے باوجود اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شریعتِ اسلامی نے دینی مصالح کے پیش نظر احکام کے اندر استثنا کی گنجائش رکھی ہے اور اس سے شدید مجبوری کے وقت صرف ضرورت کی حد تک فائدہ اٹھانا دین کے خلاف کوئی سازش نہیں بلکہ اس کی خدمت ہے۔

ہم حیران ہیں کہ جو بزرگ انفرادی زندگی میں شریعت کی عطا کردہ ان رخصتوں سے خود بھی فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں اور اپنے متوسلین کو بھی ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دیتے ہیں انہیں اجتماعی مسائل کے معاملے میں اس اصول کا نام سن کر کیوں وحشت ہوتی ہے۔ اس کی ہمیں صرف ایک وجہ ہی نظر آتی ہے کہ صدیوں کے انحطاط نے ہمیں اسلام کے اجتماعی نظام سے اتنا بے تعلق اور بیگانہ کر دیا ہے کہ ہم نے اس معاملے میں کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ہمارے ذہنوں میں جمود و تعطل ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کبھی یہ سوچنا ہی گوارا نہیں کیا کہ امتِ اسلامیہ کے کچھ اجتماعی معاملات غور و فکر کے محتاج ہیں اور وہ بھی اس امر کے متقاضی ہیں کہ ہم ان کے حل کرنے کے لیے استحسان کے اصول کو نگاہ میں رکھیں۔

آئیے اب دیکھیں کہ جماعت کو آخر کیا مجبوری تھی جس کے تحت اسے اسلام کے ایک عام حکم کے خلاف یہ استثنائی صورت اختیار کرنا پڑی۔ اس ملک میں ایک شخص نے قوم کے اس عظیم اعتماد کو توڑ کر جو اس نے اسے اپنے ملک کی حفاظت و پاسبانی کے معاملے میں سپرد کر رکھا تھا فوج کی مدد سے عنانِ اقتدار سنبھالی اور اس کے بعد ملک پر ایک جابرانہ نظام مسلط کر دیا۔ جو لوگ اسلام کو صرف "مسجد" کی عبادت تک محدود سمجھتے ہیں ممکن ہے انہیں اس نظام میں کوئی خرابی محسوس نہ ہو لیکن جو لوگ اسلام کے اجتماعی مزاج کا بھی کچھ احساس رکھتے ہیں وہ

ایک استبدادی نظام کی خرابیوں سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔

اس شخص نے پورے چھ سال بلا شرکتِ غیرے ملک پر حکمرانی کی اور اس دوران میں احکامِ شریعت کے اندر کھلم کھلا ترمیم و تنسیخ کی اور اس کے خلاف کسی فرد کو زبان کھولنے تک کی اجازت نہ دی جنہوں نے بولنے کی جرأت کی انہیں اس جرم کی پاداش میں تھانوں اور چوکیوں میں بلایا گیا اور وہاں اُن کی ذلت اور رسوائی کی گئی۔ اگر کسی کو تی مقالہ یا مضمون لکھا تو اس کو ضبط کر لیا گیا۔ اور کسی غیرتمند شخص نے اس کے خلاف زبان کھولی تو اُسے نظر بند کر دیا گیا۔ طرح طرح کے جابرانہ قوانین نافذ کیے گئے جن کی بدولت پورا ملک ایک قید خانہ بن کر رہ گیا۔

پھر قوم کے ضمیر کو زندہ اور سیرت کو پختہ بنانے کے بجائے اُس کے اخلاق کا جنازہ نکال دیا گیا، اور اُن کو اس انداز سے تربیت کی گئی کہ وہ جری بہادر اور حق گو بننے کے بجائے خوشامدی، بزدل ضمیر فروش اور منافق بن کر رہ جائیں۔

اخبارات جو عوام کی تربیت کا مؤثر ذریعہ ہیں ان کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ پریس آرڈی ننس کی تلوار ان کے سر پر لٹکا دی۔ اشتہارات پر کنٹرول کے ذریعہ ان پر مالی دباؤ ڈالا۔ اور پھر بڑے بڑے سرمایہ اور کے روپے سے پریس ٹرسٹ قائم کر دیا تاکہ آزاد صحافت کے مقابلے میں خوشامدی صحافت کو فروغ دیا جائے۔

اخبارات کے علاوہ عوام کی تربیت کا دوسرا ذریعہ محراب و منبر ہیں لیکن حکومت نے اوقاف کا جو نیا انتظام کیا ہے اس کے نتائج ہر وہ مسلمان دیکھ سکتا ہے جو جمعہ کے دن کسی ایسے امام صاحب کا خطبہ سنتا ہے جو محکمہ اوقاف کے ملازم ہیں۔

آپ خود ہی غور فرمائیں کہ جو قوم ابھی نئی نئی آزاد ہوئی ہو، اُسے اگر صرف خوشامدی بننے کی تربیت دی جائے تو اس کا کیا حشر ہوگا اور وہ مستقبل کی تعمیر کے لیے کیا کر سکے گی۔

دین و ملت کا مفاد اسی میں ہے کہ اس صورتِ حال کو جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد بدلا جائے کیونکہ اس کا جاری رہنا ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جس ملک میں بھی کبھی آمریت قائم ہوئی ہے وہاں اُسے انتخابات کے ذریعہ کبھی جمہوریت میں تبدیل نہیں کیا جا سکا ہے اسے تو اس ملک اور قوم کی خوش قسمتی سمجھیے کہ یہاں بالکل غیر متوقع طور پر ایک ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے جس میں محض انتخاب کے ذریعہ سے آمریت کو جمہوریت میں بدلنا ممکن ہو گیا ہے۔

ان حقائق کو ذرا نگاہ میں رکھیے اور سوچیے کہ دینی اعتبار سے جماعت اسلامی کے لیے کونسا موقف صحیح ہے۔

ایک صورت یہ تھی کہ وہ صدر ایوب صاحب کی حمایت کا اعلان کرتی اور اس کے سارے نتائج کی ذمہ داری خدا اور خلق کے سامنے اپنے سر لیتی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ وہ اس فیصلہ کن مرحلے پر بالکل غیر متعلق تماشائی بن کر

بیٹھ جاتی اور قوم کو اس سے کوئی رہنمائی نہ دیتی۔ جو حضرات جماعت کو اس طرح کے مشورے دیتے ہیں انہیں شاید یہ احساس نہیں ہے کہ یہ بھی آمریت کے بقا میں مددگار بننے کی ایک دوسری صورت ہوتی۔ مزید براں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، جماعت اسلامی اب اس مقام پر نہیں ہے جہاں ملکی معاملات میں اس کے دخل دینے یا نہ دینے سے حالات پر کوئی خاص اثر نہ پڑتا ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اب جماعت اپنا ایک وزن رکھتی ہے اور اس کے فیصلے ملکی معاملات پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس صورت حال میں اگر وہ غیر جانبدار رہتی تو یہ بھی آمریت کے ہاتھ مضبوط کرنے کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتا۔ ان حالات میں جماعت اسلامی کے لیے دینی نقطۂ نظر سے مناسب ترین صورت یہی باقی رہ گئی تھی کہ وہ ان لوگوں سے تعاون کرے جو آمریت کو ختم کرنے اور اس کی جگہ جمہوریت کو بحال کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ صدارت کے لیے محترمہ فاطمہ جناح کا انتخاب جماعت اسلامی نے نہیں کیا بلکہ متحدہ حزب اختلاف کی دوسری چار جماعتوں نے کیا۔ اس فیصلے کے وقت امیر جماعت اور دوسرے زعماء جیل میں تھے۔ جماعت کے سامنے حزب اختلاف کے اس فیصلے کے بعد مسئلے کی حقیقی نوعیت یہ تھی کہ آیا ہم اس اتحاد سے الگ ہو کر خاموش بیٹھ جائیں؟ یا صدر ایوب کے مقابلے میں کوئی دوسرا آدمی کھڑا کر دیں؟ یا محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کریں؟ ان تینوں شکلوں پر پوری طرح غور کرنے کے بعد جماعت کے عمائد اسی نتیجہ پر پہنچے کہ دینی اور ملی نقطۂ نظر سے اس وقت جماعت کے لیے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کے سوا کوئی دوسرا جائز طریق کار نہیں ہے کیونکہ پہلی دونوں صورتوں کے اختیار کرنے کے معنی عملاً فیلڈ مارشل صاحب کو کامیاب کرانا اور اس آمریت کے بقا میں ممد معاون ہونے کے ہیں۔ ہم خدا کے سامنے یہ ذمہ داری لینے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے کہ ہمارے کسی فعل کی وجہ سے یہ آمریت اس ملک میں باقی رہے۔ اس لیے ہم نے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید کا فیصلہ کیا۔ ہمیں تسلیم ہے کہ عورت کا سربراہ مملکت ہونا دینی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہماری نظروں سے یہ حقیقت بھی مستور نہیں کہ ایک فاسقانہ اور ظالمانہ استبدادی نظام کے بقا میں مددگار ہونا شریعت کی نگاہ میں عورت کو سربراہِ مملکت بنانے سے بدرجہا زیادہ بڑا گناہ ہے۔

جماعت اسلامی اس جدوجہد میں غیر مشروط طور پر نہیں بلکہ واضح شرائط کے ساتھ شریک ہوئی ہے، جن میں ایک بنیادی شرط جمہوریت کی بحالی ہے۔ خود محترمہ فاطمہ جناح نے بھی اپنی اس سعی و جہد کا مقصد جمہوری نظام کی بحالی اور آمریت کا خاتمہ ہی قرار دیا ہے۔ بطنِ مستقبل میں کیا پنہاں ہے اس کے بارے میں کوئی شخص بھی وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن ہمیں امید ہے کہ محترمہ فاطمہ جناح کی کامیابی سے اس ملک میں فی الواقع آمرانہ رجحانات رکھنے والے اصحاب اور ان کے حوصلے پست ہوں گے اور ملک جمہوریت کے راستے پر گامزن ہو سکے گا۔

اس موقع پر ہم ایک اہم حقیقت کو صاف صاف واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے بعض کرم فرما ہم پر جو مختلف الزامات لگا رہے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ پہلے تو ہم اسلامی نظام کے قیام کے علمبردار تھے، پھر ہم نے اسلامی جمہوریت کے نصب العین کو اپنایا، اور اب صرف جمہوریت کے پرستار بن کر

ہو گئے ہیں حالانکہ جماعت اسلامی کے لٹریچر میں مغربی جمہوریت کو جی بھر کر کوسا گیا ہے۔ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو ہمارے متعلق پھیلائی جا رہی ہے۔ اصل حقیقت جسے لوگ نہیں سمجھ رہے ہیں یا جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں یہ ہے کہ اس ملک ہی میں نہیں تمام مسلمان ملکوں میں اسلامی نظام برپا کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اگر کوئی ہے تو وہ مغرب زدہ ذہن رکھنے والوں کی آمریت ہے۔ اور اسلامی نظام کی راہ اگر ہموار ہو سکتی ہے تو وہ ایک ایسی آزاد جمہوری فضا ہی میں ہو سکتی ہے جس میں اسلام کے لیے آزادی کے ساتھ کام کیا جا سکے۔ اور صرف رائے عام کی تبدیلی سے نظام زندگی کو بدلنا ممکن ہو جائے۔ ایسی فضا اگر موجود ہو تو صرف اس ملک میں بلکہ تمام مسلمان ملکوں میں لازماً اسلامی نظام ہی برپا ہو کر رہیگا۔ کیونکہ قوم بنیادی طور پر مسلمان ہے اور اس کی رائے عام غیر اسلام کے حق میں ہموار نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ اصل مصلحت ہے جس کی بنا پر ہم اس وقت آمریت کی جگہ جمہوریت کی بحالی کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے ہیں۔ ہمارے اس موقف کو سمجھنے کے لیے آپ ذرا دنیائے اسلام اور خصوصاً اپنے ملک کے حالات پر نگاہ ڈالیے اور دیکھیے کہ اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کونسی ہے۔ حالات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لینے کے بعد آپ صرف ایک نتیجہ پر ہی پہنچیں گے کہ یہاں کے عام مسلمان اسلامی نظام کے قیام کے دل و جان سے خواہشمند ہیں اور اسی کی خاطر انہوں نے جان و مال عزت و آبرو کی بے شمار قربانیاں دی ہیں لیکن یہاں جو طبقہ اس راستے میں سب سے زیادہ مزاحم ہو رہا ہے وہ مغرب زدہ طبقہ ہے جسے اتفاقات زمانہ نے ہم پر مسلط کر دیا ہے۔ یہ طبقہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر اس ملک کا انتظام و انصرام عوامی خواہشات کے مطابق چلایا جائے تو یہاں اسلامی نظام کے قیام کو کوئی چیز نہ روک سکیگی۔ اسی لیے اپنے مغربی استادوں کے فلسفہ سیاست کے بالکل برعکس اس کی پالیسی یہ ہے کہ آزادانہ انتخابات کے ذریعہ سے برسر اقتدار آنے کے بجائے حکومت پر بالجبر قبضہ کیا جائے اور پھر ایک آمرانہ نظام قائم کر کے زبردستی اپنی قوم میں مغربی تہذیب کو رواج دیا جائے۔

یہ طبقہ بڑا با اثر ہے۔ ملک کے اندر چونکہ اقتدار کی باگیں اس کے ہاتھ میں ہیں اس لیے یہ ملکی وسائل کو بے دینی کے فروغ دینے میں بے تحاشا خرچ کر رہا ہے۔ پھر یہ طبقہ شروع ہی سے اس بات کا بھی التزام کر رہا ہے کہ یہاں عوامی خواہشات اور تمناؤں کو پنپنے نہ دیا جائے کیونکہ ان کی قوت مغربی تہذیب کے تسلط میں لازماً مانع ہو گی۔

پھر اس طبقے کو اہل مغرب کی پوری تائید حاصل ہے اور وہ آزادی اور جمہوریت کی ان ساری قدروں کو مسلمان ممالک میں برباد کرنے کے درپے ہیں جنہیں وہ اپنے ملکوں میں اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ عناد ہے جو انہیں اسلام اور ملت اسلامیہ سے ہے اور اس کا اظہار انہوں نے اپنی مختلف تحریروں اور تقریروں میں بارہا کیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر مسلمان ممالک میں جمہوریت کو نشوونما پانے کا موقع ملا اور یہاں عوامی آرزوؤں اور امنگوں کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگئی تو پھر یہاں سوائے اسلام کے اور کوئی نظام حیات قائم نہیں کیا جا سکتا۔

رجسٹرڈ ایل : ۵۳۴۰